www.urducouncil.nic.in

مارچ 2016 ، قیمت: -/10₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

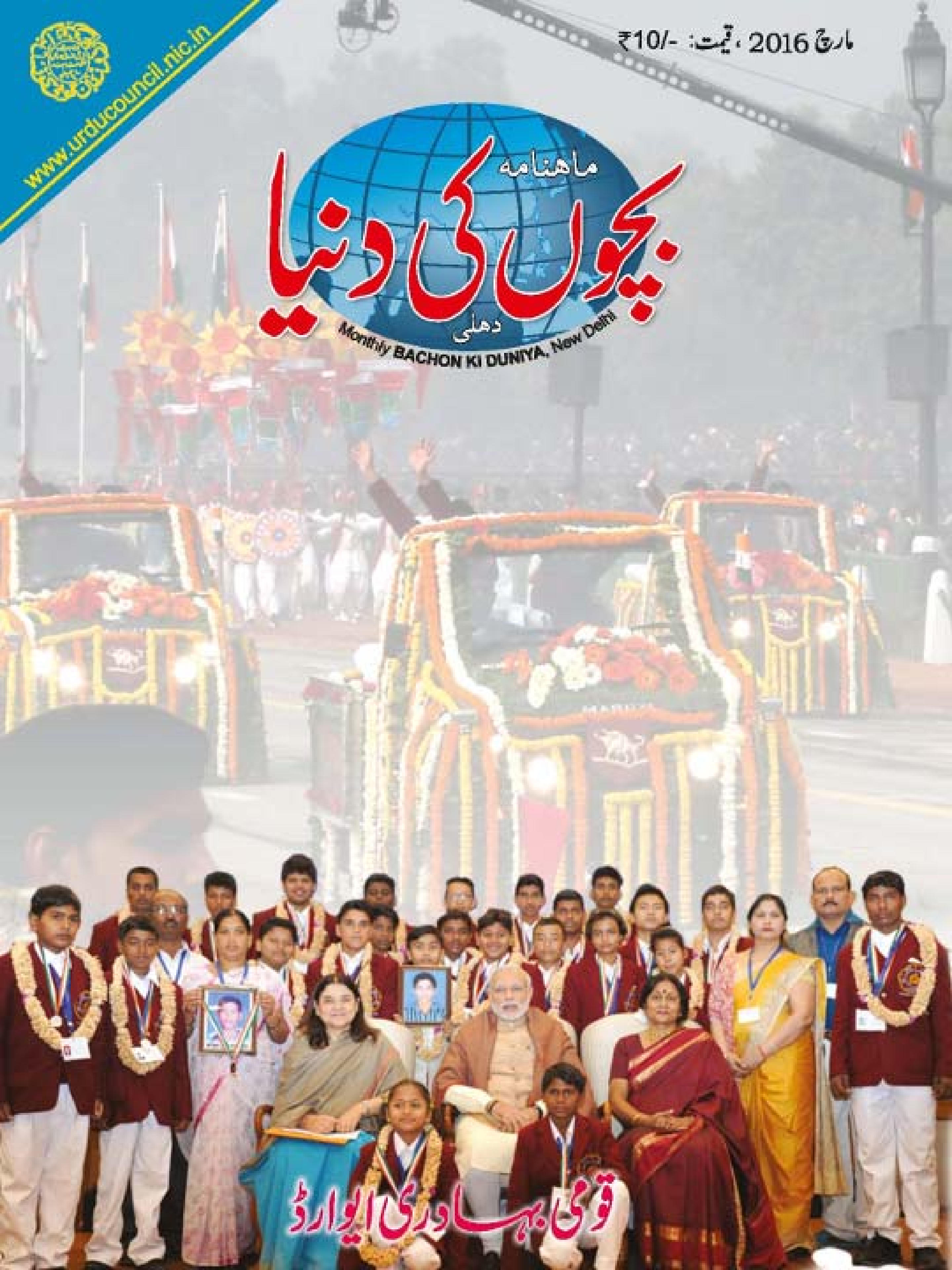

قومی بہادری ایوارڈ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

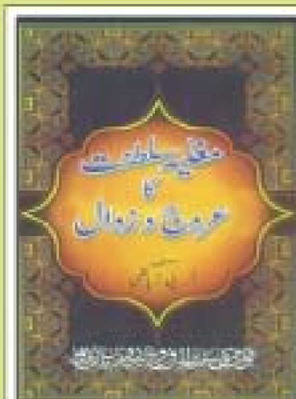

صفحات: [illegible]، قیمت: [illegible] روپے

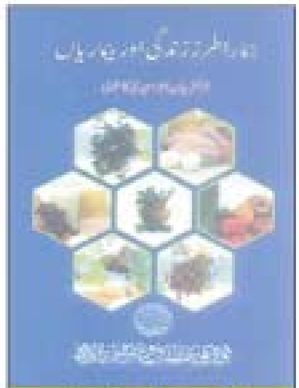
صفحات: [illegible]، قیمت: [illegible] روپے

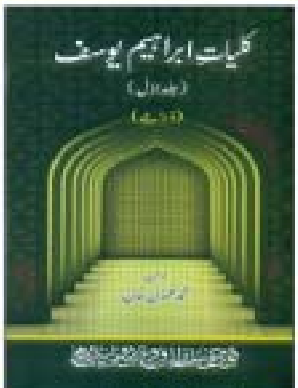

صفحات: 2273، قیمت: 613 روپے

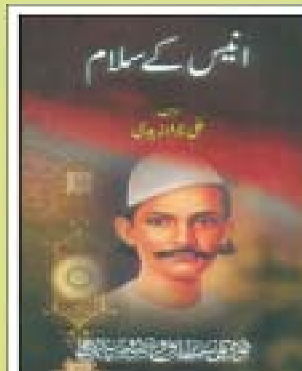

صفحات: 307، قیمت: 113 روپے

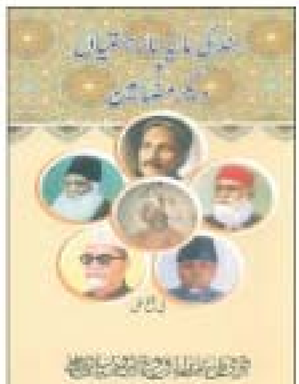
صفحات: 176، قیمت: 35 روپے

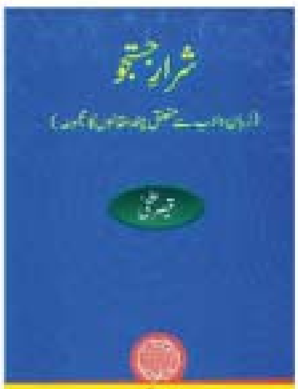

صفحات: [illegible]، قیمت: [illegible] روپے

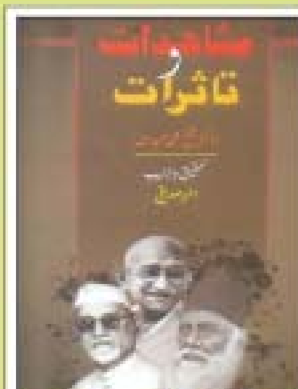

صفحات: [illegible]، قیمت: [illegible] روپے

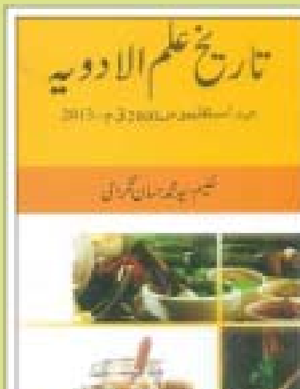

صفحات: [illegible]، قیمت: [illegible] روپے

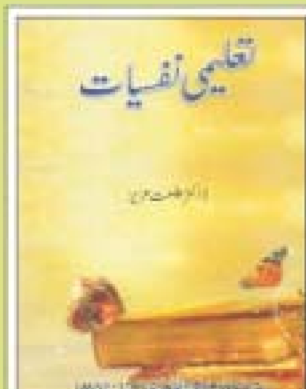

صفحات: 242، قیمت: 100 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 4 شمارہ: 3 مارچ 2016

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

اس شمارے میں

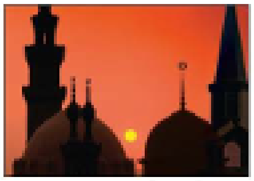

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ	ادارہ	05
مضامین	رضیہ سلطانہ	صفدر حسین	07
	میری کیوری کی مثالی زندگی	امتیاز احمد	09
	راجہ رام موہن رائے اور سرسید	ضیا عالم کوسگوی	12
	گھوڑے کی لگام کا راز	رونق جمال	14
نظمیں	ویری بیڈ	مختار ٹونکی	16
	کھیلو بھی پڑھو بھی	سید بشیر احمد بشیر	17
	آئی ہے ہولی	مہدی پرتاپ گڑھی	18
	نئی ڈش شہدالو	مناظر حسن شاہین	19
کہانیاں	ہم ہوں گے کامیاب	عزیز اللہ شیرانی	20
	آنسو اور موتی	تسنیم فاطمہ	23
	مکار لومڑ اور ہوشیار بکری	قیصر زاہدی	27
	بڑی بہن	زیبا ناز	31
	مہمانِ خصوصی	محمد داؤد	35
نظم	ایسا لگے ایمان کا پودا	آنند لہر	37
سائنس کی الف لیلہ	رنگ ناشناس کیمیاداں	سکنف اور سکنف	39
نظم	مصوری	حافظ کرناٹکی	44
کہکشاں	چمن چمن کے پھول		45
	معلومات کی کسوٹی	سید عبیداللہ ہاشمی	47
	اچھی باتیں	شبیر احمد میر	49
	جنگل کی انوکھی دنیا	محمد اعجاز	50
	دلّی کے کچھ مشہور و اہم سیاحتی مقامات		54
	ہنسی کے غبارے		57
ننھے فنکار	ایمانداری کا پھل	محمد عمیر مسعود اختر بشارتی	58
	بچوں کی پینٹنگ		60
	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! ہم سب اپنی زندگی میں محنت کرتے ہیں اور اس محنت کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ کسی مقصد کے بغیر منزل تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ سب کو زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے، اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے مقصد اور منزل کا تعین ضرور کرنا چاہیے۔ جب آپ اپنے مقصد کو نظر میں رکھیں گے اور سچی محنت اور لگن سے کام کریں گے تو یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی اور آپ صرف اہل خانہ نہیں بلکہ اپنے علاقے اور ملک کا نام بھی روشن کریں گے۔

زندگی میں ایک سبق یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مشکلات اور پریشانیوں میں آپ کے قدم ڈگمگائیں نہیں بلکہ حوصلہ اور عزم کے ساتھ پریشانیوں کا سامنا کریں۔ ساتھ ہی دوسروں کی مدد اور تعاون کا جذبہ بھی آپ میں ہونا چاہیے۔ آپ کے اسی مدد کے جذبے اور بہادری کے لیے ہندوستانی حکومت ہر سال پورے ملک کے 25 بچوں کو قومی بہادری ایوارڈ سے نوازتی ہے۔ اس سال بھی 24 جنوری کو ملک کے مختلف علاقوں سے منتخب کیے گئے 22 بچوں اور 3 بچیوں کو ہمارے وزیر اعظم نے یہ ایوارڈ دیا اور یوم جمہوریہ کی پریڈ میں بھی وہ بچے شامل ہوئے۔

قومی بہادری ایوارڈ کی شروعات 2 اکتوبر 1957 سے ہوئی تھی جب ایک 14 سال کے نڈر بچے ہریش مہرا نے رام لیلا میدان میں رام لیلا دیکھ رہے پنڈت جواہر لعل نہرو، اندرا گاندھی اور جگ جیون رام کو اپنی جان پر کھیل کر آگ میں جھلسنے سے بچایا تھا۔ یہ سب لوگ جس شامیانے کے نیچے بیٹھ کر رام لیلا دیکھ رہے تھے اس میں اچانک آگ لگ گئی تھی۔ ہریش مہرا کی بہادری سے پنڈت نہرو بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے قومی بہادری ایوارڈ دینے کا اعلان کیا اور پہلا ایوارڈ ہریش مہرا کو دیا گیا۔ ابھی تک تقریباً 900 بچوں کو یہ ایوارڈ مل چکے ہیں۔

اس سال ایوارڈ حاصل کرنے والوں میں شیوم پیٹ روچیتا، ارجن سنگھ، اروِل ایس ایم، راکیش بھائی شانا بھائی پٹیل، رام دین تھارا، اویناش مشرا، چونگ تھیم کبیر، کشش دھنانی، محمد شمناد، موہت مہندر دلوی، انجیت کے وی، سرواننداسابا، سائی کرشنا اکھل کلمی، دشانت مہدی رتہ، جوئنا چکرورتی، نیلیش بھیل، بیدحون، مُحن فلپ میتھیو، بھیم سین، انجلیکا تنگ سونگ، آنند ودلپ، مورس لیینگ کھوم، دیکھو ریش گھنگارے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دو اور بچوں شیوانش سنگھ، گوروکو ووجی کے اہل خانہ نے ایوارڈ حاصل کیے جنھوں نے دوسروں کی جان بچانے میں اپنی جان گنوادی۔

ہمارے وزیر اعظم نے اس موقعے پر بچوں سے بڑی اچھی بات کہی کہ بہادری کا یہ انعام اس لیے دیا جا رہا ہے کہ آگے کی زندگی میں بھی دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ قائم رہے۔

دوستو! ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کی دلچسپی کے مدنظر مضامین، کہانیاں اور معلومات شائع کی جائیں۔ 'بچوں کی دنیا' محض ایک رسالہ نہیں ہے بلکہ آپ سب کو اردو زبان اور معلومات عامہ مہیا کرانے کا ایک وسیلہ بھی ہے۔ آپ کی تحریریں ہمیں حوصلہ دیتی ہیں اس لیے بچوں کی دنیا کے تعلق سے اپنے تاثرات ضرور بھیجیں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

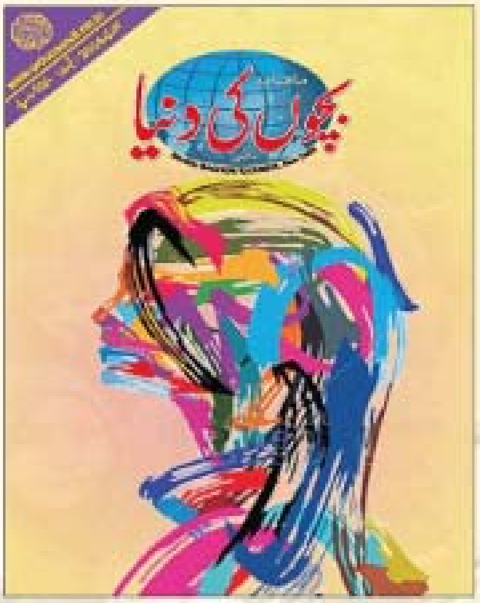

□ 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ جنوری 2016 موصول ہوا۔ آپ کے اس خلوص کا شکریہ کس طرح ادا کروں کہ آپ نے میرے اندر کے بچے کو جسے میری ضعیفی نے سہا کر رکھ دیا تھا، دوبارہ متحرک کر دیا ہے اور وہ اس رسالے کو دیکھ کر کھلکھلا اٹھا ہے۔

میں نے اپنے اندر کے بچے کو کبھی مرنے نہیں دیا مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کو کھل کر کھیلنے بھی نہیں دیا کہ اپنے کاموں میں جواب بڑی عمروں کے کاموں میں شمار ہو رہا ہے، مجھے بعض اوقات اپنے اندر کے بچے پر بہت رحم بھی آتا ہے اور میں چاہتا بھی ہوں کہ اس کو بھی پوری طرح کھیلنے کو دنے کا موقع دوں مگر..... اے بسا آرزو کہ خاک شد

'بچوں کی دنیا' اس قدر حسین اور جاذب نظر ہے کہ اس کے صوری حسن کی تعریف جتنی کی جائے کم ہے اور معنوی لحاظ سے یہ ایک بھرپور بچوں کا رسالہ ہے جسے بوڑھے بھی بڑے شوق سے پڑھ سکتے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں نے اس کی ورق گردانی کی ہے، جستہ جستہ پڑھا بھی ہے اور آج رات کو اس کو پورا پڑھوں گا پھر اپنے پوتے کو دوں گا جواب اردو کی کہانیاں، نظمیں بڑے شوق سے پڑھنے لگا ہے۔ نیز میری نواسی اور نواسا جو میرے پوتے سے چند سال بڑے ہیں وہ بھی اردو کہانیاں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ الحمد للہ میں اپنے بچوں کے لیے اردو کی کہانیاں، نظمیں اور دیگر کتابیں لاتا رہتا ہوں اور سب بچوں کی اردو دانی پر پوری توجہ دیتا ہوں۔

سید معراج جامی، کراچی، پاکستان

□ بچوں کے لیے اس دور میں اس قدر جاذب نظر اور دلکش رسالہ نکالنے پر قومی کونسل اور آپ کی پوری ٹیم کو بہت بہت مبارکباد... یوں تو میں قومی کونسل کے تینوں رسائل کا قاری ہوں لیکن بچوں کی دنیا اولین شمارے سے زیر مطالعہ ہے۔ رسالے کا ہر شمارہ خوب سے خوب تر ہوتا ہے جو ایک ہی

نشست میں تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بچوں کے زیر مطالعہ رہتا ہے، جو بالترتیب سوم اور سینئر کے جی میں زیر تعلیم ہیں۔ بچے نہ صرف ان کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ اپنی ڈرائنگ اور لطائف بھی روانہ کرتے ہیں۔ بچوں کے مطالعہ کا بغور مشاہدہ اور بلند خوانی کو سننے کے بعد میں نے آپ کو یہ خط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ آپ سے گذارش ہے کہ 'بچوں کی دنیا' کی کہانیوں کو رموز و اوقاف سے سجایا جائے تاکہ بچے صحیح الفاظ اور صحیح تلفظ سے واقف ہو سکیں۔ ہمارے یہ ننھے بچے کمپیوٹر اور موبائل میں املا اور تلفظ میں ہونے والی ان غلطیوں کے تدارک میں کامیاب ہو سکیں گے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ مطالعہ، تحریر اور تقریر میں اردو زبان کو اس کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ استعمال کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

● آپ کے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی لیکن رموز و اوقاف دینے کی صورت میں کافی دشواریاں ہوں گی۔ (ادارہ)

مبین احمد مبین، مالیگاؤں، مہاراشٹر

□ 'بچوں کی دنیا' جنوری کا شمارہ میرے پیش نظر ہے۔ ٹائٹل میں بے ترتیب لکیریں ہیں لیکن اس کے ذریعے لڑکی کی شبیہ کو خوبصورتی سے ابھارا گیا ہے۔ 'لڑکیوں کا قومی دن' کے تحت جو تحریریں شامل کی گئی ہیں ان میں متین اچل پوری کا تحریر کردہ ڈراما دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ نصیحت آموز ہے۔ اس ڈرامے کی خوبی یہ ہے کہ جو ابیات میں نثر کے ساتھ منظوم حصے بھی شامل کیے ہیں۔ متین اچل پوری کی تحریر میں بڑی جاذبیت ہے۔ اس بہترین پیش کش پر مبارکباد!

عائشہ محمد، راحت کالونی، اورنگ آباد دکن

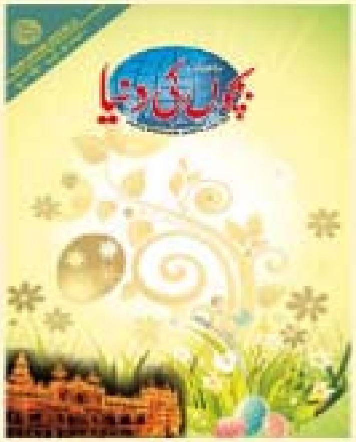

□ 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ تمام کہانیاں، نظمیں اور مضامین بچوں کے لیے دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' میں روز بہ روز نکھار آتا جا رہا ہے سرورق کافی بہتر اور خوبصورت ہے۔ عمدہ پیش کش کے لیے بہت بہت مبارکباد۔

پیرزادہ معراج الدین، سنز، کشمیر

□ ہمارے اسکول میں بچوں کی دنیا کا بڑی صبری سے بچے انتظار کرتے ہیں اور ٹیچر بھی جب بھی خالی وقت ملتا ہے تو کلاس میں بچوں کو اس کتاب سے کہانیاں، نظمیں وغیرہ سنتے رہتے ہیں۔ بہت عمدہ رسالہ ہے۔

عبدالشفیق، تھانے میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 117 کوسا ممبرا

□ 'بچوں کی دنیا' دسمبر 2015 نظر نواز ہوا۔ 'آپس کی باتیں' سے لے کر 'رزق کی بربادی' تک سب بہتر لگا لیکن سحر اسد نے کہانی کا بہتر انجام نہیں دیا ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ اس رسالہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی سے نوازے۔

محمد اسد اللہ انصاری، فاطمہ منزل، مسجد روڈ ایلہ کھولا، سونیت پور آسام

صفدر حسین

رضیہ سلطانہ

آج سے کئی سو برس پہلے ہندوستان میں ایک مشہور بادشاہ سلطان شمس الدین التمش گزرا ہے۔ اس کا بڑا بیٹا بہت قابل اور بہادر تھا۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ اس کے بعد بڑا بیٹا ہی تخت پر بیٹھے لیکن وہ بادشاہ کی زندگی ہی میں ایک جنگ میں مارا گیا۔ بڑے لڑکے کے مرنے کے بعد بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہ اس کے دوسرے بیٹوں میں کوئی بھی حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے، اپنی چھوٹی بیٹی رضیہ سلطانہ کو پڑھائی لکھائی کے ساتھ ساتھ فوجی تعلیم بھی دلانی شروع کی۔ رضیہ سلطانہ ویسے بچپن ہی سے اپنے بھائیوں کے مقابلے میں بہت سمجھدار اور بہادر تھیں۔ فوجی تعلیم پانے کے بعد تو وہ گھوڑے کی سواری کرنا، بندوق چلانا اور فوجوں کی کمان بھی کرنے لگیں۔ اپنی بیٹی کی ساری اچھی باتیں دیکھ کر سلطان شمس الدین التمش نے فیصلہ کرلیا تھا اور وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد رضیہ سلطانہ ہی دہلی کے تخت پر بیٹھے۔

جب التمش کا انتقال ہوا تو ساری سلطنت میں گڑبڑ مچ گئی کہ بادشاہ کون بنے؟ کچھ سردار رضیہ سلطانہ کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے اور کچھ چاہتے تھے کہ ان کا بڑا بھائی بادشاہ بنے جو سردار یہ چاہتے تھے کہ رضیہ سلطانہ، ملکہ نہ بنے، ان کا خیال تھا کہ عورت کم عقل ہوتی ہے، اس کا کام صرف گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کرنا ہے، وہ بھلا کیسے حکومت کے کاروبار

سنبھال سکتی ہے؟ چونکہ رضیہ سلطانہ کو ملکہ نہ بنانے والوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لیے انھوں نے سلطان شمس الدین التمش کی وصیت کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کے ایک بیٹے رکن الدین کو بادشاہ بنایا جو حکومت کرنے کے بالکل قابل نہ تھا، کیونکہ اسے حکومت کے کاروبار سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ سارا وقت محل میں بیٹھا رہتا اور آرام کی زندگی گزارتا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں سلطنت میں جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگیں۔ ابھی وہ پورے نو مہینے بھی حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ رعایا نے تنگ آکر آخر ایک دن رکن الدین کو تخت سے اتار ہی دیا۔

رکن الدین کو تخت سے اتارنے کے بعد اس کی جگہ رضیہ سلطانہ کو ملکہ بنایا گیا۔ رضیہ سلطانہ تو شروع ہی سے بہادر اور سمجھدار تھیں۔ باپ کی زندگی ہی میں انھوں نے حکومت کا کاروبار چلانا سیکھ لیا تھا اور انھیں مشورے بھی دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ تخت پر بیٹھتے ہی انھوں نے رعایا کی بھلائی کے کام شروع کردیے۔ ملک کی ساری رعایا ان سے خوش تھی۔ اپنے ملک کی حفاظت کے لیے فوجی طاقت بھی بڑھائی۔ وہ ہمیشہ فوجی لباس پہنے رہتیں اور خود ہی فوجوں کی کمان کرتی تھیں۔

رضیہ سلطانہ کو حکومت کرتے ہوئے بھی تین سال ہی ہوئے تھے کہ وہ سردار جو رضیہ سلطانہ کو تخت پر نہیں بٹھانا چاہتے تھے، ان کی ترقی سے جلنے لگے اور انھوں نے پھر سے سلطنت میں گڑبڑ مچانے کی کوشش شروع کردی اور رعایا کو ملکہ کے خلاف بھڑکانے لگے۔ بھولی رعایا ان سرداروں کی چالوں میں آگئی اور اُن غدار سرداروں کی باتوں پر بھروسہ کرلیا۔ جب تمام سلطنت میں ان سرداروں کی چال کامیاب ہوگئی تو ایک دن ان لوگوں نے رضیہ سلطانہ کو پھر تخت سے اتار دیا اور گرفتار کر کے قیدی بنا دیا۔ قید خانے میں رضیہ سلطانہ کی نگرانی کے لیے جو سردار مقرر کیے گئے تھے ان میں سے ایک سردار نے ملکہ کی بہادری، سمجھداری اور نیک مزاجی کو دیکھ کر ان سے شادی کرنی چاہی، جسے رضیہ سلطانہ نے منظور کرلیا۔ چند دنوں بعد جب ملکہ قید سے چھوٹ گئیں تو انھوں نے پھر ایک مرتبہ فوج کو جمع کر کے تخت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان ہی سرداروں نے جو ملکہ کو تخت سے اتار دیا تھا پھر رعایا کو بہکا دیا کہ رضیہ سلطانہ کی آڑ میں ان کے شوہر بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ اس غلط خبر کے پھیلتے ہی ایسے سردار بھی رضیہ سلطانہ کے خلاف ہوگئے جو پہلے ان کی عزت کیا کرتے تھے اور اب وہ رضیہ سلطانہ اور ان کے شوہر کی جان کے دشمن ہوگئے اور آخر ایک دن دونوں کو ہی مار ڈالا۔ اس طرح ایک نیک اور بہادر ملکہ نے جس کے دل میں ہمیشہ اپنی رعایا کی بھلائی کا خیال رہتا تھا۔ سلطنت کے آپس کے جھگڑوں میں اپنی جان قربان کردی۔

رضیہ سلطانہ وہ پہلی اور آخری ہندوستانی عورت تھیں جنھوں نے تین سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔ انھوں نے یہ ثابت کردکھایا کہ ہندوستانی عورت گھر کی رانی بھی ہے اور ساتھ ساتھ جنگ کے میدان کی سپاہی بھی۔ ان کی بہادری اور نیکی کی وجہ سے ان کا نام ہندوستان میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

■

ماخذ: ہندوستان کی عظیم عورتیں، مصنف: صفدر حسین، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

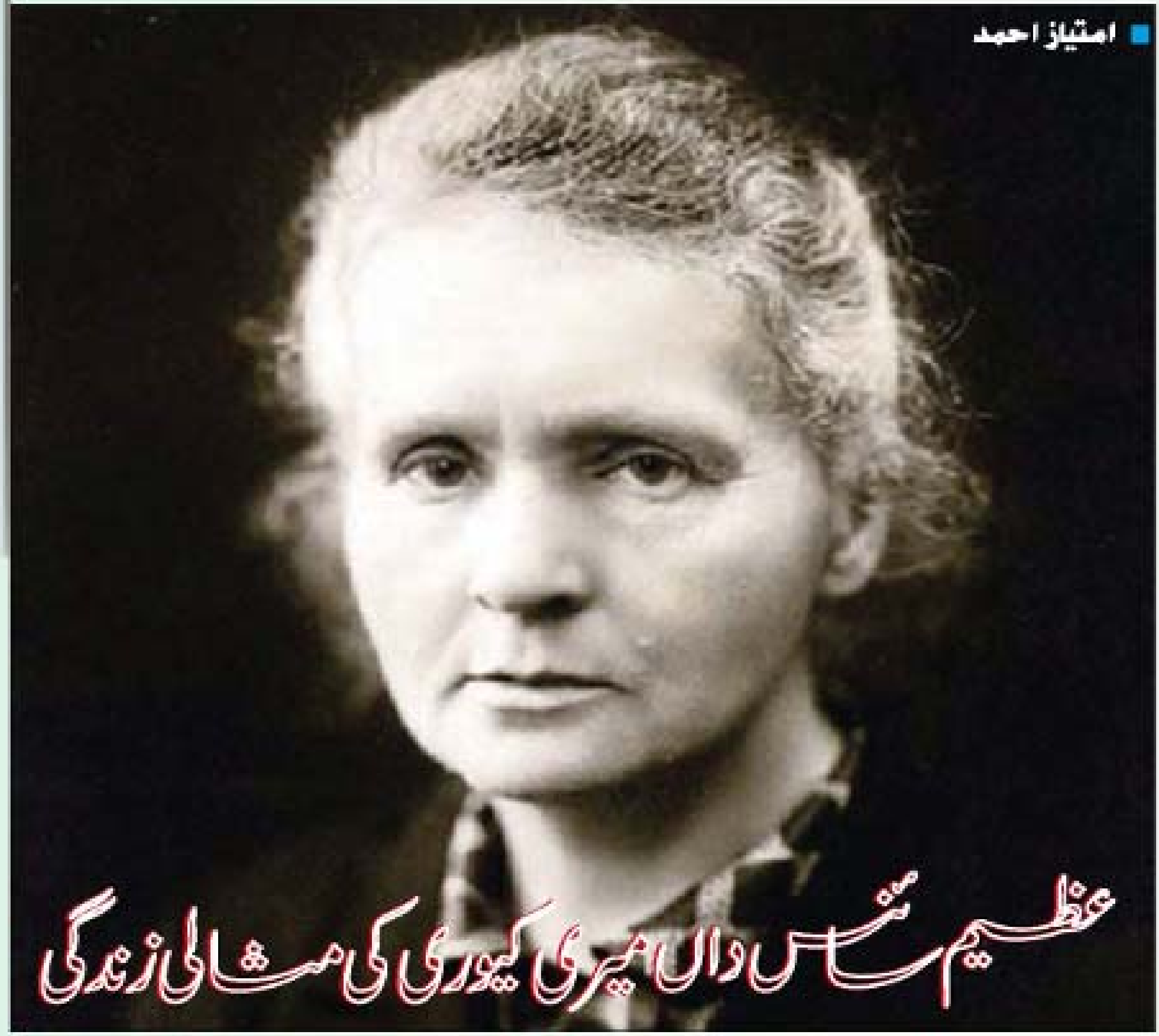

امتیاز احمد

عظیم سائنس داں میری کیوری کی مثالی زندگی

ہندوستان اور دنیا کے الگ الگ ملکوں میں کئی عورتوں نے اپنی کامیابی اور کامرانی سے ملک کا نام روشن کیا ہے۔ سماج اور قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرنے والی میری کیوری پوری دنیا کے لیے مثال ہیں۔

میری کیوری کا پورا نام (Maria Salomea Sklodowaska Curic) تھا۔ میری کیوری 7 نومبر 1867 کو وارسا، پولینڈ میں پیدا ہوئی۔ ان کی والدہ ایک اسکول میں ناظم تھیں اور ابو ایک پروفیسر تھے۔ والدین کی تعلیم کا اثر میری کیوری پر بھی پڑا۔ وہ بچپن سے ہی پڑھائی لکھائی میں تیز تھیں۔ لیکن بچپن میں ہی گھر کی معاشی حالت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بہن کے پاس پڑھنے لکھنے کے لیے فرانس جانا پڑا۔ معاشی تنگی کی اصل وجہ ان کے والد کا حکومت کے خلاف آواز اٹھانا تھا۔ میری کیوری کے ابو وطن پرست تھے۔ انھیں عوام کے ساتھ ہو رہی ناانصافی پسند نہیں تھی۔ ان کی اس مخالفت کی وجہ سے ان کی تنخواہ آدھی کردی گئی۔ جب

میڈم کیوری نو سال کی تھیں تب ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

فرانس میں پڑھتے ہوئے میری کیوری نے اپنی محنت کے بل پر کئی وظیفے حاصل کیے۔ جس سے ان کی پڑھائی کے خرچ کا بوجھ میری کی بہن پر نہیں پڑا۔ اپنی تعلیم کا راستہ خود منتخب کیا۔ اپنی قابلیت اور لگن کی وجہ سے سبھی استادوں کی چہیتی شاگردہ ہو گئیں۔

میری کیوری فرانس میں ڈاکٹریٹ کرنے والی پہلی عورت تھیں۔ انھیں فرانس یونیورسٹی میں پروفیسر بننے والی پہلی خاتون ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ایک دن اپنے ایک دوست سائنس داں سے ملنے ان کے گھر گئیں جہاں ان کی ملاقات ماہر فزکس طبیعات نوجوان پیری کیوری سے ہوئی، جو بعد ان کے شوہر بنے۔ دونوں نے 1898 میں پولونیم کی کھوج کی۔ کچھ ہی مہینے بعد انھوں نے ریڈیم کی بھی کھوج کی۔ جو کہ میڈیکل سائنس اور مریضوں کے علاج میں ایک بہت ہی فائدے مند کھوج ثابت ہوئی۔ 1903 میں میری کیوری نے اپنی پی ایچ ڈی پوری کی اور اسی سال ان کو اور ان کے شوہر کو ریڈیم کی کھوج کے لیے فزکس کا نوبل پرائز ملا۔ 1911 میں کیمسٹری کا بھی نوبل پرائز ملا۔ سائنس کی دو شاخوں میں نوبل پرائز سے عزت افروز ہونے والی میری کیوری پہلی خاتون سائنس داں ہیں۔

میری کیوری کا سفر اتنا آسان نہیں تھا۔ شروعات سے ہی انھوں نے بہت جدوجہد کی تھی۔ گھر کی معاشی حالت سدھارنے کے لیے تعلیمی دور میں ہی بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھیں۔ شادی کے کچھ برسوں کے بعد ان کے شوہر کا انتقال ہوجانے سے ان کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں۔ دو بیٹیوں کا مستقبل اور شوہر کے دیکھے خوابوں کو پورا کرنا میری کیوری کا مقصد تھا۔

تحقیق کے دوران ایک بار ان کا ہاتھ بہت زیادہ جل گیا تھا۔ پھر بھی ان کا حوصلہ نہیں ٹوٹا۔ ان کا کہنا تھا کہ:

''زندگی میں ایسا کچھ بھی نہیں جس سے ڈرا جائے آپ کو بس یہی سمجھنے کی ضرورت ہے۔''

میری کیوری کی اچھی تعلیم وتربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کی دونوں بیٹیوں کو بھی نوبل پرائز حاصل ہوا۔ اپنے شوہر کے خواب کو پورا کرنے کے مقصد سے وہ امریکہ گئیں جہاں انھیں بہت عزت ملی۔ وہاں کے صدر نے انھیں 1۔گرام ریڈیم کا تحفہ دیا جو انھوں نے کیوری انسٹی ٹیوٹ کو منتقل کردیا اور شرط میں یہ لکھ دیا کہ اس کا استعمال عوام کی فلاح و بہبود کے لیے دنیا بھر کیا جائے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ:

''ریڈیم کسی کو دولت مند بنانے کے لیے نہیں ہے۔ یہ عنصر سبھی لوگوں کے لیے ہے۔''

میری کیوری نے نوبل پرائز سے حاصل شدہ رقم بھی عوام کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کردی۔ انھوں نے جنیوا کے اسپتال میں بچوں کی مدد کے لیے کافی رقم دی تھی۔ 1919 کی عالمی جنگ میں زخمی لوگوں کی مدد کے لیے انھوں نے ایک بڑی گاڑی میں چلتا پھرتا اسپتال کھول دیا۔ جس کے ذریعے ہزاروں مریضوں کی دیکھ ریکھ انھوں نے خود کی تھی۔ سادگی پسند اور اونچے خیالات والی میری کیوری کا کہنا تھا کہ:

''ہر فرد کی ترقی کے بغیر ہم دنیا کو خوبصورت نہیں بنا سکتے اور اس کے لیے ہمیں ہمیشہ کوشش کرنی ہوگی۔ انسانیت کے لیے بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا ہوگا۔ ہمارا اہم کام ان کے لیے ہو جن کے لیے ہم سب سے زیادہ مفید ہوسکتے ہیں۔''

ریڈیم پر لگاتار تجربے کے نتیجے میں ان کو خون کے خلیوں کا مرض لاحق ہوا۔ جس کا اُس وقت کوئی علاج موجود نہیں تھا۔ اسی مرض کے چلتے 1934 میں میری کیوری خدا کو پیاری ہوگئیں۔ البرٹ آئنسٹائن جیسے عظیم سائنس داں انھیں اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''ان کی مستقل مزاجی، خلوص، حقیقت پسندی اور بہتر فیصلہ کرنے کی صلاحیت ایسے اوصاف ہیں جو کسی ایک انسان میں بہت مشکل سے پائے جاتے ہیں۔''

میری کیوری کی ساری زندگی جہد مسلسل کی لازوال داستان ہے ایسی ہی شخصیت پر آج انسانیت کا سر فخر سے بلند ہے۔ واضح رہے کہ کیوری کی دریافت کردہ ریڈیم سے ایک گیس ریڈان مسلسل خارج ہوتی ہے جو کینسر کے علاج کے لیے بہت موثر ہے۔ میری کیوری بھلے ہی اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کی تحقیق اور خدمت خلق کے جذبے کو دنیا کبھی نہیں بھلا سکتی۔

■

Imteyaz Ahmad
E-247/14, IInd Floor, Shaheen Bagh, New Delhi - 110025

ضیاعالم کوسگوی

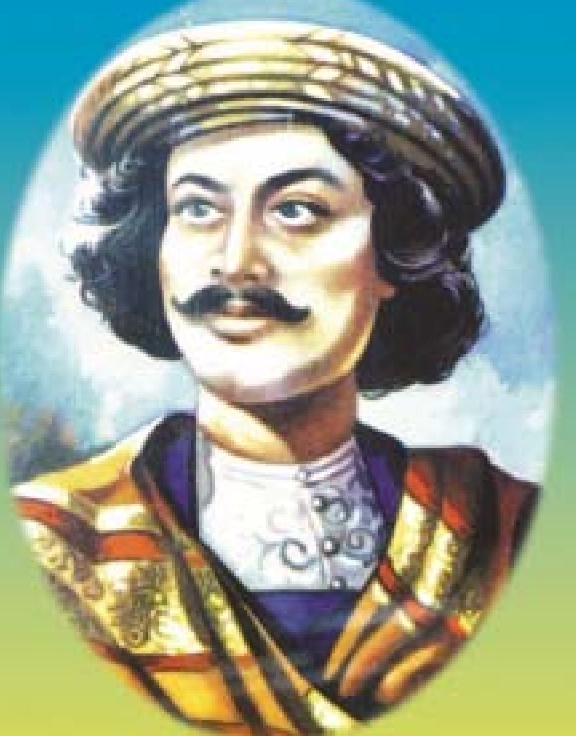

راجہ رام موہن

پ:22 مئی 1772، وفات:27 ستمبر 1833

سرسید

پ:17 اکتوبر 1817، وفات:27 مارچ 1898

راجہ رام موہن رائے اور سرسید

ہندوستان میں انگریزی حکومت 1857 کے بعد پوری طرح قائم ہوگئی تھی۔ لوگوں کی سہولت کے لیے نئے نئے منصوبے عمل میں لائے جارہے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہندوستانیوں پر انگریزی تہذیب کی چھاپ نظر آرہی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں نے اپنی تہذیب اور اپنے مذہب کا مختلف ذریعہ سے پرچار شروع کردیا تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک ہندوستانی سماج تعلیم سے دور اپنے پرانے رسم و رواج کے اندھیروں میں گم ہوگیا تھا لیکن اسی زمانے میں بہت سے سماج سدھارک سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے اور تعلیمی میدان میں مہارت رکھنے والے لوگوں نے ہندوستانیوں کو تعلیم دینے اور ان میں نئی بیداری لانے کا کام شروع کیا۔

1814 میں راجا رام موہن رائے نے انگریزوں کی نوکری چھوڑ دی اور 1824 میں برہمو سماج کی بنیاد ڈالی۔ 1831 میں برطانیہ گئے اور وہیں وفات پائی۔ انھوں نے مورتی پوجا کی مخالفت کی۔ ستی جیسی ظالمانہ رسم کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ راجہ رام موہن رائے کو راجا کا خطاب عطا کیا گیا تھا۔

برہمو سماج کے بانی راجہ رام موہن رائے مذہب اسلام سے بہت زیادہ متاثر تھے۔

عمر کے 15/16 سال ہی میں انھوں نے انگریزی سنسکرت زبان کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی زبان پر بھی مہارت حاصل کرلی تھی۔ جہاں انھوں نے ہندو دھرم کے ویدوں اور بھگوت گیتا کے اصولوں کا علم حاصل کیا تھا وہیں قرآن مجید کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ خدا ایک ہے وہ ہر جگہ موجود ہے۔ جائیداد میں لڑکی کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کو شادی کرنے کا حق حاصل ہے۔ خدا نے یہ کائنات بنائی ہے اور تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے وہ سب ہی آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔

سر سید احمد خان دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عربی فارسی اردو سے شروع ہوئی۔ اپنی فطرت صلاحیت اور خداداد قابلیت کی بنا پر انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ راجہ رام موہن رائے کے زمانے میں اور اس کے بعد سر سید احمد خان اور ان کے رفقا نے ہندوستانی سماج سے پرانے رسم ورواج کو دور کرنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندو مسلم کے مسائل جدید تعلیم کے ذریعہ دور کیے جائیں۔ انیسویں صدی میں ہی سر سید نے آنے والے زمانے کا اندازہ کرلیا تھا۔ دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم بھی حاصل کرنی پڑے گی۔ بغیر انگریزی سیکھے ہندوستانی دو قدم بھی آگے نہیں چل سکتے۔ اس لیے انھوں نے انگریزی زبان وادب سیکھنے کی تحریک چلائی۔ 1875 میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد ڈالی جو بعد میں 1920 میں علی گڑھ یونیورسٹی کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہوا۔ اس یونیورسٹی کو قائم کرنے کے لیے سر سید نے دامن پھیلا پھیلا کر چندے مانگے۔

سر سید احمد خان چونکہ ہندوستان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اس لیے وہ ہندو اور مسلمان قوموں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ (ہندوستان ایک خوبصورت دلہن ہے) ہندو مسلم اس کی دو آنکھیں ہیں اگر کسی ایک آنکھ کو نقصان پہنچے گا تو ہندوستان کی خوبصورتی ختم ہوجائے گی۔ کوئی مذہب کسی بھی دوستی اور اتحاد میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ راجہ رام موہن رائے اور سر سید احمد خان کے اس مشن کو آگے بڑھانا ہے۔ آج کے ہندوستانی بچوں کے دلوں میں ان کی فکر وعمل میں ایک تبدیلی لانا ضروری ہے تاکہ اکیسویں صدی میں دیگر یورپی قوموں کے مقابل ہندوستان کو ترقی کی دوڑ میں آگے لایا جاسکے اور وہ دین ودنیا دونوں محاذ پر کامیاب ہوسکیں۔ ■

Zia Alam
House No.: 10/0/27/2
Mohalla: I-G Puram
Hyderabad - 500028

■ رونق جمال

گھوڑے کی لگام کا راز

پیارے بچو! آؤ آج میں آپ کو زندگی کے میدان میں کامیابی کے دو اہم راز بتاتا ہوں۔ تو آپ تیار ہیں ان دو اہم رازوں کو جاننے کے لیے؟ پہلا راز ہے تیز رفتار گھوڑا...! اور دوسرا راز ہے مضبوط لگام۔!! نہیں سمجھے تو آؤ اس مضمون کو پڑھو اور میرے لکھے ایک ایک لفظ پر غور کرو سمجھو۔!! ویسے مجھے پورا یقین ہے بچوں کی دنیا کا مطالعہ کرنے والے بچے بہت ذہین ہیں اور میری بات کو اور کامیابی کے دو اہم رازوں کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ بچوں جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے۔ پہلا راز ہے تیز رفتار گھوڑا۔ جی ہاں ہر کسی کو منزل تک پہنچنے کے لیے، طویل فاصلے کو طے کرنے کے لیے ایک تیز رفتار گھوڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی کا سفر بہت طویل اور دشوار ہے کیونکہ زندگی کے راستے میں کافی نشیب وفراز ہیں۔ کانٹے بھی ہیں۔ پہاڑ بھی ہیں۔ کھائیاں بھی ہیں۔ سمندر بھی ہیں اور دشواریاں بھی ہیں۔ ان سب کو عبور کرنے کے لیے ایک طاقتور صحت مند اور تیز رفتار گھوڑے کی ضرورت ہر کسی کو ہے، آپ کو بھی ہے۔!! اب بتاؤ آپ اُس گھوڑے کے راز کو جاننے کے لیے بے چین ہوئے ہیں۔ ہاں تو پیارے بچو وہ تیز رفتار اور طاقتور گھوڑا ہے... آج کی عصری تعلیم...!! جی ہاں عصری تعلیم ہی آپ کے زندگی کے ستر اسّی سالہ سفر کو کامیاب بنا سکتی ہے۔ عصری تعلیم کا یہ گھوڑا ہی آپ کے اور کامیابی کے درمیان کے فاصلے کو ختم کرسکتا ہے۔ عصری تعلیم کا یہ گھوڑا آپ کی زندگی کو اور زندگی کے مقصد کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ آج دنیا کے تمام کامیاب لوگ عصری تعلیم کے گھوڑے کی سواری کرکے ہی کامیابی کی بلندیوں پر پہنچے ہیں جیسے ہمارے سابق صدر جمہوریہ ہند مرحوم جناب اے پی جے عبدالکلام صاحب؟!! سنو... سنو... شاباش آپ میری بات کو بہت جلد سمجھ گئے ہو لیکن... ٹھہرو... اس صحت مند طاقتور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے لگام تو لیتے جاؤ۔ میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ پہلا راز ہے

تیز رفتار گھوڑا اور دوسرا راز ہے مضبوط لگام۔!! پہلا راز تو میں نے آپ کو بتا دیا... اور آپ اُس راز کو بخوبی سمجھ بھی گئے۔ دوسرا راز ہے عصری تعلیم کے گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے لگام کا۔! جب تک تیز رفتار گھوڑے کی لگام آپ کے ہاتھ میں نہیں ہوگی آپ اُس سرکش بے قابو گھوڑے کو اپنے قابو میں کس طرح رکھ پائیں گے! تو اب آگے اور بھی غور سے پڑھو۔

اب میں دوسرے اہم راز سے پردہ اٹھا رہا ہوں۔ اچھا چلو سوچ کر بتاؤ... تو وہ مضبوط لگام کیا ہوگی...؟ عصری تعلیم کے گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے...!؟ سوچو... سوچو... اچھا...!؟ نہیں سوچ پا رہے ہو...!؟ لو میں بتاتا ہوں... مگر پہلے یہ سمجھ لو کہ آخر عصری تعلیم کے گھوڑے کو لگام کی کیا ضرورت ہے!؟ تعلیم تو اچھی بات ہے!! ہے نا۔!؟ مگر بچوں عصری تعلیم... آپ کو بگاڑ بھی سکتی ہے۔ آپ کو مغرور بھی بنا سکتی ہے۔ آپ کو تکبر کی کھائی میں دھکیل سکتی ہے۔ آپ کے قدموں کو بہکا سکتی ہے۔ آپ کو غلط راہوں پر گامزن کر سکتی ہے۔ آپ کو خدا اور رسول کے راستے سے بھٹکا سکتی ہے۔ آپ کو اپنے سلوک اور کردار کی وجہ سے ماں باپ کے خلاف کر سکتی ہے۔ یا ماں باپ آپ سے ناخوش اور بیزار ہو سکتے ہیں اور تو اور عصری تعلیم کا تیز رفتار گھوڑا آپ کو خود آپ کی نظروں میں بھی گرا سکتا ہے۔ آپ کی اچھی بھلی زندگی کو جہنم بھی بنا سکتا ہے۔ آپ کی آخرت کو بھی جہنم رسید کر سکتا ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ عصری تعلیم کے گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے ایک مضبوط لگام کی ضرورت ہوتی ہے۔!! شاباش سمجھ گئے۔!! ہاں تو لو خوش ہو جاؤ... میں آپ کو دوسرا راز بھی بتا رہا ہوں... وہ مضبوط لگام ہے دینی تعلیم۔!! ہے کے نہیں... دینی تعلیم آپ کو ہمیشہ قابو میں رکھے گی۔ آپ کو بھٹکنے نہیں دے گی۔ آپ کو اچھے برے کی تمیز سکھائے گی۔ آپ کو گھر میں سماج میں آپ کی اپنی نظروں میں ہمیشہ اونچا رکھے گی۔ آپ کی زندگی کو سنوارے رکھے گی اور آپ کی آخرت کو بھی کامیاب بنا دے گی۔ آپ کے ماں باپ بھی آپ سے راضی ہو جائیں گے۔!

اب بتاؤ یہ سچ ہے کے نہیں!؟ تو پھر کیسا لگا آپ کو عصری تعلیم کا تیز رفتار گھوڑا اور دینی تعلیم کی مضبوط لگام—!؟

اگر آپ کو میری بات سمجھ میں آ گئی ہے اور پسند بھی آئی ہے تو قلم اٹھاؤ اور میرا حوصلہ بڑھاؤ تاکہ آئندہ بھی میں آپ کو ایسی ہی کارآمد باتیں بچوں کی دنیا کے ذریعے بتاتا رہوں...

■

Ronaq Jamal
'Kainat' Street No. 9, New Adarsh Nagar
Durg 491001 (Chhattisgarh)

مختار ٹونکی

ویری بیڈ

وقت کو بیکار گنوانا ویری بیڈ
پڑھنے میں دل کو نہ لگانا ویری بیڈ
دھینگا مُشتی کب ہوتی ہے یہ اچھی
گھر میں رہ کر شور مچانا ویری بیڈ
اچھے بچے اِن باتوں سے ہیں بچتے
غیبت کرنا، چغلی کھانا ویری بیڈ
کہتے کیوں ہیں جھوٹے کا منہ ہو کالا
جھوٹی باتیں منہ پر لانا ویری بیڈ
خوش ہو کر سب سے ملنا تو اچھا ہے
غصہ کرنا اور جھنجھلانا ویری بیڈ
کہہ دو تم سے کیوں تاخیر ہوئی ہے
سُر سے سچی بات چھپانا ویری بیڈ
اپنے تو پھر اپنے ہیں رکھنا دھیان
غیروں کے بھی دل کو دکھانا ویری بیڈ

■
Mukhtar Tonki ,
Kali Paltan Road, Pul Mohd Khan
Tonk - 304001 (Raj)

سید بشیر احمد بشیر

کھیلو بھی پڑھو بھی

کھیلو کودو دوڑو بچو
صحت اچھی رکھو بچو
مل جل کر اک ٹیم بناؤ
کرکٹ ہاکی کھیلو بچو

کھیلوں سے صحت بنتی ہے
محنت کی عادت بنتی ہے
چستی پھرتی بدن میں آئے
کھیلوں سے ہمت بنتی ہے

کھیل ضروری ہے لیکن
دھیان کسے اب دینا ہے
پڑھنا لکھنا ہے مقصد
وقت کسے کب دینا ہے

Sayyed Bashir Ahmad
Block No 5, Jaihind Nagar,
Bijapur Road, Solapur - 413004 (MS)

مہدی پرتاپ گڈھی

آئی ہے ہولی

رنگوں کا تہوار، آگئی ہے ہولی
لو بوڑھے بابا بھی کرنے لگے ٹھٹھولی
رنگ گلال کا چہروں کو دمکائے ہے
اور عبیر ستاروں کو شرمائے ہے
نکلی ہے بدمست جوانوں کی ٹولی
بھیگ رہی ہے ساڑی، آنچل اور چولی
بجا مجیرا، لبوں پہ گیت مچلتے ہیں
ایسا تال اور سُر کہ جھومتے بوڑھے ہیں
اُدھر مدھر آواز بانسری کی آئی
ادھر لیے پچکاری اک ٹولی آئی
شرابور رنگوں میں ہوگیا ہے عالم
دلوں میں بجنے لگی ہے خوشیوں کی سَرگم
بعد دوپہر خوش گوار منظر جاگے
بڑے خلوص سے لوگ گلے سے لگے
رنگ رواداری کا ملا ہے چہروں پہ
ہے گنگا جمنی تہذیب میں ڈوبا ہر منظر
پیار کے نغمے گاتے، ہنستے ملتے ہیں
شکوے گلے بھول کر سب سے ملتے ہیں
اَمر رہیں یہ مہکتے لمحے امر رہیں
پیار کا یہ ماحول یہ نغمے امر رہیں

Mehdi Pratapgarhi
28, Schoold Ward
Pratapgarh - 230001 UP

مناظر حسن شاہین

نئی ڈِش شہدالو

بَم بَم بَم بَم بھولے بھالو
سیب نہیں تو کھالو آلو
آلو میں بھی جان بہت ہے
اس کا بھی سمان بہت ہے
سبزی، بھجیا، چپس، کرارے
آٹمس اور بہت ہیں سارے
کھاؤ جو آلو کے پکوڑے
سچ ہے ہوجاؤ گے چوڑے
آلو میں تم شہد ملا لو
ایک نئی ڈش آج بنا لو
چنکو کو بھی پاس بلا لو
اُس کی بھی دعوت کر ڈالو
پوچھے جب یہ کیا ہے بھالو؟
شان سے بولو ہے شہدالو
اِس ڈش کو جب وہ کھائے گا
انگلیاں چاٹتا رہ جائے گا

■

Manazir Hasan Shaheen
Middle School, Luxmipur
Via.: Chakand, Gaya - 804404 (Bihar)

عزیز اللہ شیرانی

ہم ہوں گے کامیاب

آشا ایک ننھی منی مزدور ہے۔ اس کی عمر 12 سال ہے۔ وہ قالین کے کارخانے میں کام کرتی ہے۔ وہ ہر وقت اداس رہتی ہے۔ میں اسی کارخانے میں اس کا مستری ہوں۔ ایک دن میں نے دیکھا وہ ایک کونے میں جا کر گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی تو اس کے آنسوؤں کا باندھ ٹوٹ گیا۔

"میرا اس دنیا سے دل بھر گیا ہے۔ میں اب کام نہیں کروں گی۔"

یہ سن کر مجھے احساس ہوا کہ اس کا بچپن اندھیروں بھرا ہے۔

آشا نے اپنی پریشانی سناتے ہوئے کہا "جب میں دس سال کی تھی بستی میں قالین کی بنائی کا کام شروع ہی ہوا تھا۔ بستی کے زیادہ تر لوگ غریب تھے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے پنچایت کمیٹی کے اسکول چھوڑ چھوڑ کر قالین کے کارخانوں میں جا رہے تھے۔ ان کے ماں باپ کو دو سو تین سو روپیوں کی لالچ تھی۔ میری ماں نے بھی اس موقعے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ میری پڑھائی چھڑوا کر قالین کے کارخانے کے حوالے کردی۔ وہ مجھے زبردستی کارخانے لے گیا۔ اسکول کے بچے روزانہ مجھے کارخانے جاتے ہوئے دیکھ کر میرا مذاق اڑاتے۔ اس وقت میری حالت بڑی خراب تھی۔ میرے کھلے ہونٹوں پر پھیکا پن تھا۔ دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ جسم پر کھادی کی میلی کچیلی سی کرتی تھی۔ پیروں میں ربڑ کی ٹوٹی ہوئی چپلیں تھیں جن سے میرے پیر چپکے ہوئے تھے۔ میرا قد ایک سوا گز کی لمبائی میں تھا اور میں سمٹی سمٹی ڈری ڈری سی تھی۔ ماں کو میری پڑھائی کا کوئی دھیان نہیں تھا۔"

مجھے آشا کی پریشانی میں اس کی اندرونی حالت کا پتہ تھا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ قالین کی رنگ برنگی پٹیاں بننے اور کاٹنے میں لگے رہتے تھے۔ ہر روز کارخانے میں صبح سے شام ہو جاتی تھی۔ اتنا ضرور تھا کہ گھر پہنچتے ہی اس کی ماں اسے اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلاتی رات ہوتے ہوتے اندھیرے کچے مٹی کے جھونپڑے میں وہ اپنے تھکے جسم کو چارپائی کے حوالے کر دیتی تھی۔

آشا کی ماں اس کی ایک نہ سنتی، وہ کہتی سو جا، نیند میں نہیں بولتے لیکن آشا کو نیند کہاں آتی وہ سوچتی اس کے ساتھ کام کرنے والے لڑکے تو بڑے آزاد ہیں، کارخانے سے نکلتے ہی ہوٹلوں پر جا کر کھاتے پیتے ہیں، مگر ماں کہیں جانے نہیں دیتی بس اتنا کہتی، لے تھوڑا سا دودھ پی لے۔ وہ روزانہ تھوڑا سا دودھ بچا کر شام کو رکھ دیتی تھی۔ صبح اٹھتے ہی مستری آ جاتا تھا۔ اس کا آنا اُس کو بہت برا لگتا تھا، لیکن ماں تو بس اپنے ہونٹ ہی سی لیتی تھی اور غصہ ہوتی تھی۔

پڑوس کی عورتیں بھی آ جاتیں اور ماں کو منع کرتیں لیکن ماں کہتی اگر یہ کارخانے نہیں جائے گی تو کیا تم جاؤ گی؟ ماں کو اس کی پڑھائی کا کوئی دھیان نہیں تھا۔ آشا کو کارخانے روزانہ صبح جانا ہی پڑتا۔

ایسے ہی پورا سال گزر گیا اور آشا اَن پڑھ رہ گئی۔ وہ بچپن کی آخری دہلیز پر پہنچ کر بھی اپنے بچپن کا حق نہیں لے سکی۔ آشا کی معصومیت اور بے چارگی کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے میں جذباتی ہو گیا۔

"یہ غریبی اور امیری کا کیسا سنگم ہے؟ قالین کی ہزاروں روپیوں کی قیمت ان ننھے ننھے مزدوروں کی انگلیوں کی ہی کرشمہ سازی ہے جن کی انگلیوں پر کارخانے کے مالک کا پورا حق ہے اور وہ ان کی معصوم زندگی کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ ادھر کارخانے کے سبھی بچے تانے پر بانے کے پھندے ہاتھوں سے ٹھوکتے

تھے۔ معمولی غلطی ہونے پرانھیں جھڑکیاں بھی سنی پڑتی تھیں۔

دن بھر کی مزدوری کے بدلے ان بچوں کے گھر والوں کو پیٹ بھرنے کے لیے روٹی، تن ڈھکنے کے لیے کپڑا اور رہنے کے لیے جھونپڑی چاہیے اور وہ ان کو مل جاتی ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کے معصوم بچوں کے ہاتھ کتنے قیمتی ہیں جن سے وہ کارخانے میں قالین کے نئے نئے سانچے اتارتے اور چڑھاتے ہیں لیکن ان بچوں کی پڑھائی کا کارخانے میں کوئی انتظام نہیں۔

کارخانے میں آشا جیسی اور بھی بچیاں اور بچے پڑھائی سے محروم تھے۔ میں نے ایک دن کارخانے کے مالک سے بات کی اور اسے بچوں کے حق اور ان کی تعلیم کا حق کے بارے میں سرکاری قانون بتایا۔ مالک نے فوراً اس کا حل نکالنے کے لیے مجھے کہا اور مجھے ہی ان کو پڑھانے کا ذمہ بھی دے دیا۔

دوسرے دن جب میں کارخانے میں گیا تو آشا نے مجھے کہا کہ اب میں کارخانہ چھوڑ رہی ہوں۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا کیوں؟

اس نے کہا میں پڑھنا چاہتی ہوں کیا تم پڑھا سکتے ہو؟

میں نے مسکراتے ہوئے آشا سے کہا میں تمھیں پڑھاؤں گا۔ تمھیں معلوم ہے بچو! اس کارخانے کے مالک نے تم سب کو پڑھنے کے لیے دو گھنٹے کی چھوٹ دی ہے۔ اس میں تم پڑھ بھی سکتے ہو۔

یہ سنتے ہی کارخانے کے سبھی بچے خوشی سے پھولے نہیں سمائے اور بولے تب تو بڑا مزا آئے گا۔ ہمیں پڑھنے کا موقع ملے گا۔ بہت بہت شکریہ ماسٹر

جی صاحب۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ آج سے ہم خوب پڑھیں گے اور خوب کام بھی کریں گے۔

بچوں کی خوشی دیکھ کر میں قالین کی لوم (مشین) پر بچوں کے ساتھ گھل مل کر ان سے قالین کے پھندے لگوانے لگا۔ اب میں کسی بچے پر جھنجھلایا نہیں کسی بچے کو پیٹا نہیں۔ مجھے ہر بچہ آشا کی طرح معصوم اور غریب محسوس ہو رہا تھا۔ اسی ہمدردانہ جذبے سے میری آواز میں نرمی اور بچوں سے بے پناہ محبت کا سمندر امنڈ رہا تھا اور کارخانے میں بچوں کی یہ آواز گونج اٹھی:

ہم ہوں گے کامیاب ایک دن
من میں ہے وشواس پورا ہے وشواس

■

Dr. Azizullah Sheerani, Farhat Manzil,Kali Pattan,Near Deewanji Kuwan
Tonk - 304001

تسنیم فاطمہ

آنسو اور موتی

بہت سال پہلے کی بات ہے۔ ایک ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ بادشاہ کی بیوی یعنی ملکہ بہت نیک اور ایماندار عورت تھی۔ اس کے دو بچے تھے بڑا لڑکا 'فیروز بخت' اور لڑکی جو چھوٹی تھی اس کا نام 'نیک بخت' تھا۔ ملکہ اپنے بچوں کا بہت خیال رکھتی تھی اور ان کی نہایت اچھی پرورش کر رہی تھی۔ دونوں بچے نہایت ذہین اور ہوشیار تھے۔

ابھی فیروز بخت بارہ سال کا اور نیک بخت دس سال کی تھی کہ ملکہ اچانک بیمار ہوگئی۔ بہت علاج ہوا مگر ملکہ ٹھیک نہ ہوسکی۔ آخر ایک رات ملکہ اللہ کو پیاری ہوگئی۔ سبھی کو ملکہ کی موت کا بہت افسوس ہوا۔ سب سے زیادہ اثر دونوں بچوں پر پڑا۔ بادشاہ بھی بچوں کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ اس وجہ سے وہ حکومت کے کاموں میں بھی دلچسپی نہیں لے پا رہا تھا۔

بادشاہ کے وزیر اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے دوسری شادی کرنے کی رائے دی۔ آخر سب کے کہنے پر بادشاہ نے دوسری شادی کرلی۔ دوسری ملکہ بہت شاطر عورت تھی۔ اس نے دھیرے دھیرے پورے محل پر قبضہ جمالیا۔ وہ نیک بخت

اور فیروز بخت کو بہت تنگ کرتی تھی۔ وہ دونوں اچھے بچے تھے اس لئے بادشاہ سے کچھ نہیں کہتے تھے۔

بادشاہ دونوں بچوں کو بہت چاہتا تھا۔ یہ بات نئی ملکہ سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس نے دھیرے دھیرے دونوں بچوں کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنا شروع کردیے۔ پہلے تو بادشاہ نے ملکہ کی باتوں پر دھیان نہیں دیا۔ مگر ملکہ نے

ہمت نہیں ہاری اور بادشاہ کو بچوں کے خلاف بھڑکاتی رہی۔ وہ بادشاہ سے بچوں کی جھوٹی سچی شکایت کرتی رہتی تھی۔ آخر ایک دن بادشاہ نے غصہ میں آکر دونوں بچوں کو محل سے نکال دیا۔

فیروز بخت محل سے نکل کر نیک بخت کو ساتھ لے کر ایک طرف چل دیا۔ دونوں بہت افسردہ تھے اور بار بار اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔ کافی دور چلنے کے بعد وہ ایک خوبصورت جگہ پہنچ گئے۔

اس جگہ چاروں طرف ہریالی تھی۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں اور ایک خوب صورت ندی بہہ رہی تھی۔ پھلوں کے درخت بھی موجود تھے۔ دونوں اس جگہ رک گئے۔ انھیں بھوک لگ رہی تھی۔ فیروز بخت نے درخت سے پھل توڑے اور دونوں نے مل کر پھل کھائے اور ندی کا ٹھنڈا میٹھا پانی پیا۔ پھر دونوں وہیں آرام کرنے لگے۔ ان کو وہ جگہ بہت اچھی لگی اور دونوں نے وہیں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔

دونوں بھائی بہن نے مل کر وہاں پیڑوں کی شاخوں اور پتوں سے ایک جھونپڑی بنائی۔ اب دن بھر فیروز بخت جنگل سے لکڑیاں چنتا اور بازار میں بیچتا۔ نیک بخت گھر کی صفائی ستھرائی کرتی اور کھانا بناتی۔ خالی وقت میں وہ ندی کنارے بیٹھ جاتی اور اپنی ماں اور پچھلی زندگی کو یاد کرکے رویا کرتی۔

ایک دن وہ اسی طرح ندی کے کنارے بیٹھی رو رہی تھی کہ ایک بزرگ ادھر سے گزرے۔ انھوں نے نیک بخت کو روتے ہوئے دیکھا تو ٹھہر گئے۔

''کیا بات ہے بیٹی تم اس طرح کیوں رو رہی ہو؟'' بزرگ نے پوچھا۔

نیک بخت نے انھیں سلام کیا اور خود پر جو بیتی تھی تفصیل سے بتایا۔ ساری بات سن کر بزرگ بہت افسردہ ہوئے۔ وہ دیر تک اسے تسلی دیتے رہے۔ پھر چلتے چلتے دعا دی:

"میری دعا ہے کہ آج سے تمھارے آنسو موتی بن جائیں۔ اور تمھاری مصیبت ختم ہو۔" یہ کہہ کر بزرگ چلے گئے۔

شام کو فیروز بخت گھر آیا تو نیک بخت نے اسے ساری بات بتائی۔ پھر دونوں نے کھانا کھایا اور سو گئے۔

اس ویرانے میں دونوں بھائی بہن کا وہی معمول تھا۔ ایک دن نیک بخت ندی کے کنارے بیٹھی رو رہی تھی۔ اس کے آنسو جو بزرگ کی دعا سے موتی بن گئے تھے ندی میں گر رہے تھے۔ ندی کے بہاؤ کے ساتھ یہ موتی آگے بہتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دور پر ایک نیک آدمی ندی کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اس نے ندی میں موتی بہتے دیکھے۔ اسے بہت حیرت ہوئی کہ ندی میں یہ موتی کہاں سے آ رہے ہیں۔ وہ پتہ لگانے کے لیے ندی کے کنارے کنارے اس سمت میں چلنے لگا جدھر سے موتی آ رہے تھے۔ کافی آگے جانے پر وہ اس جگہ پہنچا جہاں نیک بخت بیٹھی رو رہی تھی۔

"کیا ہوا بیٹی تم کون ہو اور کیوں رو رہی ہو؟" نیک آدمی نے پوچھا۔

نیک بخت نے اسے ساری بات بتائی اور پوچھا: "آپ یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"میں نے ندی میں موتی بہتے دیکھے تو میں ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گیا۔ مگر یہ بتاؤ کہ تمہارے آنسو موتی کیسے بن جاتے ہیں۔"

"یہ ایک بزرگ کی دعا کا نتیجہ ہے۔" نیک بخت نے کہا، پھر ساری بات بتائی۔

"بیٹی مجھے اللہ نے بہت دولت دی ہے۔ مگر میں اولاد سے محروم ہوں۔ تم میرے ساتھ چل کر میرے گھر میں رہو تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔" نیک آدمی نے کہا۔

"ضرور مجھے بھی آپ کے ساتھ آ کر بہت خوشی ہوگی۔ آپ تھوڑا انتظار کریں تھوڑی دیر میں میرا بھائی آ جائے گا تو ہم دونوں آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔" نیک بخت نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر میں فیروز بخت بھی آ گیا۔ دونوں بھائی بہن

اس نیک آدمی کے ساتھ چلے گئے۔ دونوں اس نیک آدمی کو بابا کہنے لگے۔ دونوں اب بہت خوش تھے۔ مگر پھر بھی انھیں اپنا پرانا زمانہ یاد تھا۔ اب بھی نیک بخت اپنے ماں باپ کو یاد کرکے روتی تھی۔ اور سارے آنسو جو موتی بن جاتے تھے انھیں سمیٹ کر ایک گھڑے میں رکھ دیتی تھی۔

کئی سال گزر گئے۔ بابا کو اچانک کاروبار میں بہت نقصان ہوگیا۔ اور وہ پائی پائی کے محتاج ہوگئے۔ جب نیک بخت کو بابا کی پریشانی کا علم ہوا تو اس نے موتیوں سے بھرا گھڑا بابا کو دیتے ہوئے کہا:

"بابا آپ ان موتیوں کو بیچ کر رقم حاصل کرلیں اور پھر اس سے اپنے کاروبار کا نقصان پورا کریں۔"

بابا وہ گھڑا لے کے بازار میں ایک جوہری کے پاس پہنچے اور اس سے موتی خریدنے کو کہا۔ اتفاق سے قریب ہی بادشاہ کے سپاہی بھی موجود تھے۔ انھوں نے بابا کے پاس اتنے موتی دیکھے تو کچھ شک ہوا۔ وہ بابا کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے اور ساری بات بتائی۔

"تمھارے پاس اتنے موتی کہاں سے آئے؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"میری بیٹی جب روتی ہے تو اس کے آنسو موتی بن جاتے ہیں۔ یہ وہی موتی ہیں۔" بابا نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی کے آنسو موتی بن جائیں؟" بادشاہ نے کہا۔

"ممکن ہے جناب! آپ کہیں تو میں اپنی بیٹی کو دربار میں بلاؤں۔" بابا نے جواب دیا۔

پھر بادشاہ کے کہنے پر فیروز بخت اور نیک بخت کو لے کر دربار میں حاضر ہوا۔

بادشاہ نے جیسے ہی اپنے بچوں کو دیکھا وہ فوراً انھیں پہچان گیا۔ اس نے دوڑ کر دونوں بچوں کو گلے لگالیا۔ بچے بھی بادشاہ کو دیکھ کر رونے لگے۔ دربار میں موجود لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ نیک بخت کی آنکھ سے گرنے والا ہر آنسو زمین پر گرنے سے پہلے موتی بن جارہا تھا۔

"میرے بچوں تم کہاں چلے گئے تھے۔ میں تم کو محل سے نکالنے کے بعد بہت پچھتایا۔ تم کو بہت تلاش کیا مگر تم دونوں نہیں ملے۔" بادشاہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

جب ذرا جذبات تھمے تو بادشاہ نے اپنے بچوں سے معافی مانگی۔ ان سے اتنے سالوں کا احوال پوچھا۔ پھر گذارش کی: "میرے بچوں جو ہوا اس کو بھول جاؤ۔ اب میں بوڑھا ہو رہا ہوں مجھے تم لوگوں کی ضرورت ہے۔ تم لوگ یہیں میرے پاس واپس آجاؤ۔"

"ابا جان آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ مگر بابا نے ہمیں سہارا دیا، ہماری برے وقت میں مدد کی۔ اب ہم ان کو کیسے چھوڑ دیں؟" فیروز بخت نے جواب دیا۔

"تمھارے بابا بھی اب ہمارے ساتھ محل میں رہیں گے۔ یہ میرے بھائی کی طرح ہیں اور میں ان کو آج سے اپنا معاون مقرر کرتا ہوں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

یہ سن کر دربار میں موجود سبھی لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس طرح ایک بار پھر فیروز بخت اور نیک بخت اپنے گھر واپس آگئے۔

■

Tasneem Fatima, C-18-A, Shahab Villa, Begumganj, Barabanki (UP)

■ قیصر زاھدی

مکار لومڑی اور ہوشیار بکری

بات برسوں پرانی ہے۔ ہمالیہ کی ترائی میں ایک بے حد سرسبز و شاداب خوشنما جنگل آباد تھا جہاں مختلف قسم کے چرند، پرند خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان جانوروں

بات مختصر یہ ہے کہ اس جنگل میں کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ سب ایک ساتھ آپس میں مل جل کر خوشی خوشی زندگی بسر کرتے اور ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک بھی ہوتے۔

کے بیچ اس قدر میل و محبت اور اخوت قائم تھی کہ ایک ہی گھاٹ پر شیر اور بکری ایک ساتھ پانی پیتے۔

نا شیر کو ہاتھی سے کوئی شکایت تھی نا لکڑ بگھے کو تیندوے سے بیر۔ باز بھی خوش تھا اور فاختہ بھی خوش تھی۔

بہار کا موسم آنے پر سب ایک پرفضا مقام پر جمع ہوتے اور سالانہ جشن 'جشن بہاراں' بڑی دھوم دھام سے مناتے۔ دیر رات تک گانے بجانے کا پروگرام چلتا۔

بھالو گٹار اور ہاتھی ڈرم بجاتا۔ کوئل اور پپیہا سریلی

آواز میں دلکش نغمہ سناتی بندر اور مور خوب ناچ دکھاتا۔ اونٹ، زیراف اور گھوڑا مل جل کر سب کے لیے عمدہ عمدہ لذیذ پکوان تیار کرتے۔ دیر رات گئے جب گانے بجانے کا پروگرام ختم ہوجاتا تو سب ایک ساتھ مل بیٹھ کر خوب مزہ لے لے کر عمدہ پکوان سے لطف اندوز ہوتے۔ پھر ایک دوسرے کو جشن بہاراں کی مبارک باد پیش کرتے۔ آپس میں گلے ملتے اور اپنے اپنے گھر کو رخصت ہوتے۔

مگر گذشتہ چند ماہ سے اس جنگل کے جانوروں کی ساری خوشیاں چھن گئی تھیں کیونکہ اس جنگل میں کہیں سے سیاہ منھ اور بدنما موٹی دم والا ایک لومڑ پہنچ گیا تھا۔ جو بے حد شرارتی، مکار اور نکما تھا۔ وہ بغیر محنت کیے مکاری سے کبھی دوسرے جانوروں کا کھانا چٹ کر جاتا تو کبھی کسی مرغی کے چوزے کو اپنا لقمہ بنالیتا اور کبھی گلہری کے بچوں کو کھا کر اپنی بھوک مٹاتا۔ لومڑ کے اس ناقابل برداشت حرکت کی وجہ سے جنگل کے سارے چرند پرند اس سے بے حد ناراض رہتے اور کوئی اسے اپنا دوست بنانے کو تیار نہیں ہوتا۔

اسے دیکھتے ہی سب جانور چوکنا ہوجاتے اور اپنے اپنے بچوں کو محفوظ جگہ پر چھپ جانے کا اشارہ کردیتے۔ والدین کا اشارہ ملتے ہی بچے محفوظ جگہ پر خود کو چھپا لیتے۔

اسی جنگل میں چنچلی نام کی خوب فربہ اور نوکیلی سنگھوں والی ایک بکری اپنے تین بچوں چنٹو، منٹو اور پنٹو کے ساتھ رہ رہی تھی۔ یہ تینوں بچے ابھی بہت چھوٹے تھے اس لیے بکری انھیں اپنے ساتھ چرنے کے واسطے نہیں لے جاتی۔ چرنے جانے کے وقت بکری اپنے بچوں کو ہدایت کرتی کہ تم لوگ میرے جانے کے بعد دروازہ اچھی طرح بند کر لینا اور کوئی بھی دستک دے مگر بھول کر بھی دروازہ نہیں کھولنا۔

مگر ایک روز جب بکری چرنے کے لیے گئی ہوئی تھی اور میمنے گھر کے اندر آپس میں کھیل کود رہے تھے۔ انھیں دروازے پر دستک سنائی پڑی۔ کوئی ان کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ "بچو! دروازہ کھولو۔ میں تمھارا ماما ہوں جلدی دروازہ کھولو۔ میرے بھانجو! میں بہت دور سے چل کر تم لوگوں سے ملنے آیا ہوں۔ میں اندر آ کر تم لوگوں کو خوب پیار کرنا چاہتا ہوں۔"

"ماما آئے، ماما آئے۔" کہتا ہوا چھوٹا میمنا پچو دروازہ کھولنے کو آگے بڑھا تو اس کے دونوں بھائیوں نے منع کیا اور کہا کہ پچو دروازہ مت کھولنا۔ ممی دروازہ کھولنے کو منع کر گئی ہیں۔ ہم لوگوں کو ممی کی باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی مصیبت گلے پڑ جائے۔

مگر پچو نے اپنے بھائیوں کی بات نہیں مانی اور ماما آئے ہیں، ماما آئے ہیں کہتے ہوئے دروازہ کی کنڈی کھول دی۔

دروازہ کھلتے ہی لومڑ جلدی سے اندر داخل ہو گیا اور کہا کہ "میرے بھانجو! تم لوگ ہر وقت گھر کے اندر بند رہتے ہو، تمھیں پتا بھی ہے کہ باہر کتنی اچھی جھیل بہہ رہی ہے۔ باغیچوں میں کتنے قسم قسم کے پھول کھلے ہیں اور اس کی بھینی بھینی خوشبو سے سارا باغیچہ معطر ہو رہا ہے۔ چلو میں تم لوگوں کو اس باغیچے کی سیر کرا لاؤں۔"

چنٹو اور منٹو لومڑ کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آیا۔ ان دونوں نے محسوس کیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے ایک اجنبی کے ساتھ ممی کے غائبانے میں بغیر اجازت جانا مناسب نہیں ہے مگر پچو نادان تھا وہ لومڑ کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور کہا

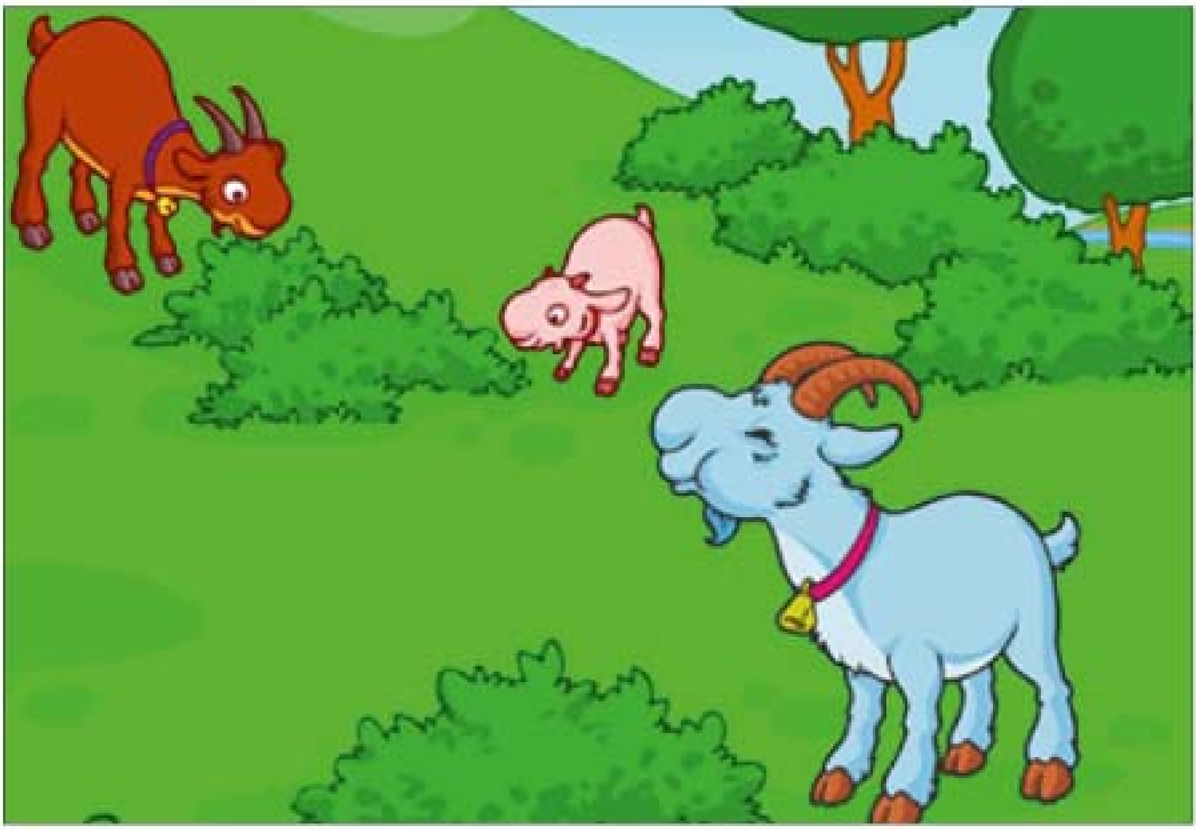

کہ ”ہاں، ہاں ماما چلو مجھے جلدی سے باغیچے کی سیر کرا دو۔ میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ لومڑ کے ساتھ چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد جب بکری اپنے بچوں کے پاس آئی تو دیکھا کہ منٹو اور چنٹو بے حد خوف زدہ اور سہمے ہوئے ایک کونے میں کھڑے ہیں مگر پنٹو کہیں نظر نہیں آرہا ہے۔ بکری نے اپنے بچوں سے دریافت کیا کہ پنٹو کہاں ہے؟

تب بچوں نے روتے ہوئے اپنی ممی کو ساری روداد سنادی۔ بکری کئی دنوں سے مکار لومڑ کو اپنے گھر کے آس پاس چکر لگاتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو یہ حرکت مکار لومڑ کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی اور پنٹو اب کبھی لوٹ کر آنے والا نہیں۔

پنٹو کے گم ہونے کے غم میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تب معصوم بچوں نے پوچھا کہ ممی تم کیوں رو رہی ہو؟

بکری کافی ہوشیار تھی۔ وہ اپنی عقل اور ہوشیاری سے لومڑ کو سبق سکھانا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے بچوں سے کہا کہ ”میں اس لیے رو رہی ہوں کہ اتنے دنوں کے بعد تمھارے ماما آئے اور بغیر مجھ سے ملاقات کیے چلے گئے۔ یہ اچھی بات نہیں ہوئی۔“

پھر اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بچوں سے بولی ”سنو اگلی بار جب ماما آئیں تو تم لوگ انھیں جانے نہیں دینا۔ تم لوگ ہوشیاری سے ایک کام کرنا جیسے ہی ماما گھر کے اندر داخل ہوں تو دونوں ہوشیاری سے گھر کے باہر نکل جانا اور جھٹ پٹ باہر سے دروازے کی کنڈی لگا دینا۔ پھر مجھے آواز دینا۔ میں آس پاس ہی رہوں گی۔ تم لوگوں کی آواز سن کر فوراً پہنچ جاؤں گی۔ میں ماما کی اچھی طرح خاطر مدارت کرنا چاہتی ہوں۔“

لہٰذا بچوں نے ایسا ہی کیا۔

اگلے روز جیسے ہی لومڑ نے دروازہ کھولنے کی آواز لگائی۔ بچوں نے دروازہ کھول دیا اور جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا اور ان بچوں سے کچھ کہتا۔ دونوں میمنے نہایت ہوشیاری سے جھٹ پٹ باہر نکل کر دروازے کی کنڈی لگا دی۔ لومڑ کچھ سمجھ ہی نہیں سکا اور نا تو وہ پہلے سے اس طرح کی ناگہانی واقعہ درپیش آنے کی سوچ سکا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ ایک بار پھر وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دونوں میمنوں کو بہلا پھسلا کر لے جائے گا اور باری باری سے دونوں کو چٹ کر جائے گا۔

بچوں نے باہر نکل کر آواز لگائی، بکری جو قریب ہی چر رہی تھی، بچوں کی آواز سن کر سمجھ گئی کہ آج آیا ہے ”اونٹ پہاڑ کے نیچے“ پھر کیا تھا۔

وہ گھر کے اندر داخل ہو کر مکار لومڑ پر ٹوٹ پڑی اور اپنی نوکیلی سنگھوں سے پے در پے حملے کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دی۔

جب لومڑ کے خاتمے کی خبر جنگل کے جانوروں کو ملی تو سب نے اطمینان کی سانس لی اور ایک بار پھر پورے جنگل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور جنگل کے سارے جانور امن چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

■

Qaisar Zahidi
Alam Ganj, Loharwa Ghat, P.O.: Gulzarbagh,
Patna - 800007 (Bihar)

زیبا ناز

بڑی بہن

پیارے بچو! ملک کے نظام کو ٹھیک ڈھنگ سے چلانے کے لیے اسے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ان ریاستوں کے مالک کو نواب کہتے تھے۔ نظامِ حکومت درست رکھنے کے لیے نواب اپنی ریاست کے عوام کا پورا خیال رکھتے۔ غریبوں، لاچاروں کی امداد کیا کرتے، دکھیاروں کی فریاد سنتے، انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے۔ لیکن سبھی نواب ایک جیسے نہیں ہوتے تھے کچھ اپنے عیش و عشرت اور آرام کو ترجیح دیتے۔ خوب گل چھرے اڑاتے عوام کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں کرتے۔

رتن پورا ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کے نواب کا نام قطب عالم تھا۔ نواب صاحب دل کے تو بہت اچھے تھے۔ لیکن زبان اچھی نہیں تھی۔ تلخ زبانی اپنی جگہ صاف گو اور اصول پسند ہونے کی وجہ سے زیادہ تر لوگ ان سے خفا رہا کرتے تھے۔ اپنے اصول منوانے کے لیے وہ طاقت کا استعمال کیا کرتے تھے جو کام پیار و محبت اور شیریں کلامی سے کیا جا سکتا ہے وہ نہ تو ہتھیار سے ہو سکتا ہے نہ طاقت سے۔

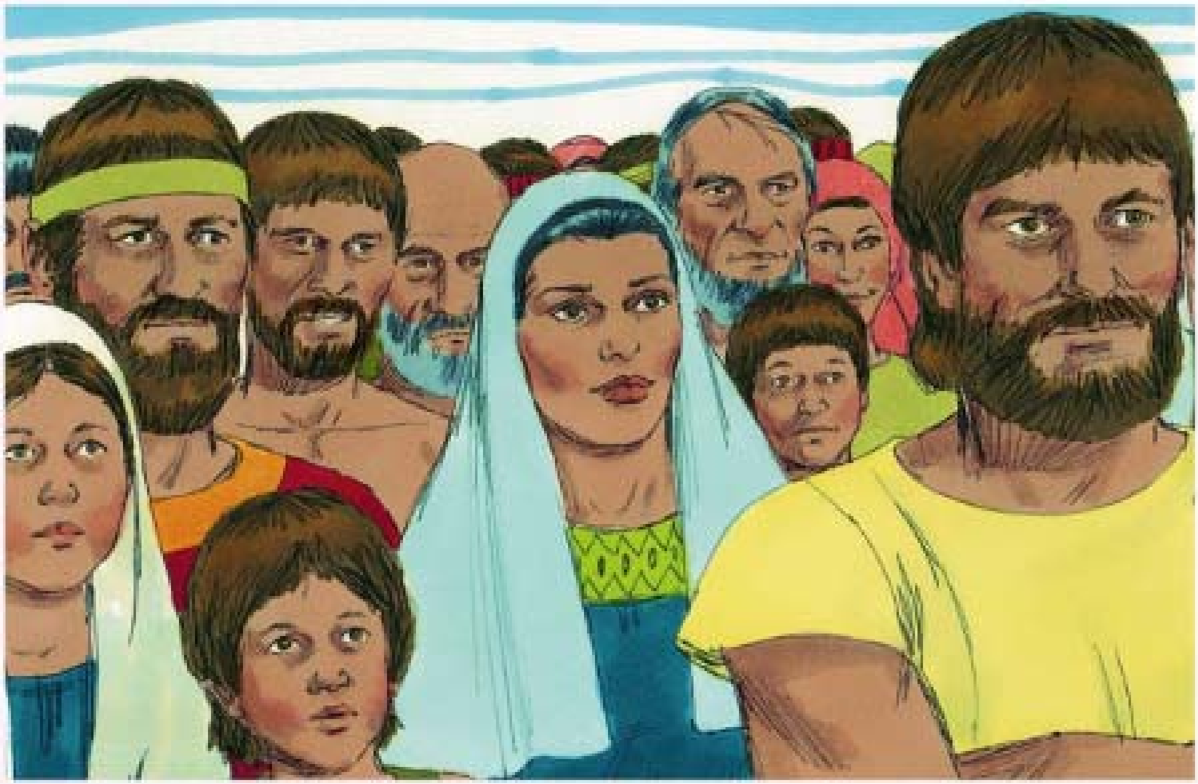

نواب صاحب کے سامنے تو سب جی حضوری کرتے لیکن پیٹھ پیچھے برائیاں کر کے اپنا دل ہلکا کر لیتے۔ نواب صاحب کو اپنی کمزوری کا احساس تھا لیکن کرتے کیا؟ کہتے ہیں پہاڑ ادھر سے ادھر ہو سکتا ہے لیکن فطرت ٹس سے مس نہیں ہو سکتی۔

قطب عالم کے ایک بیٹی تھی جس کا نام ثریا تھا۔ ثریا نہایت حسین وجمیل، نیک دل، کم گو، شیریں کلام، ہمدرد اور ہر دل عزیز تھی، اپنی ہم جولیوں کے تو وہ سر کا تاج تھی ماں باپ کی محبت تو فطری ہے۔ اکلوتی اولاد وہ بھی نواب زادی اس کے ناز ونخروں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ لیکن ثریا میں گھمنڈ نام کو بھی نہ تھا۔

ایک روز شام کے وقت ثریا کنیزوں اور سہیلیوں کے ساتھ باغ کی سیر کو گئی۔ اس روز ثریا اور دنوں کے مقابلہ زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ گلابی رنگ کے لباس میں ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا رنگ اس کے اندر سے پھوٹ رہا ہے اسی لیے لباس بھی گلابی دکھائی دے رہا ہے۔ کالی جھیل سی آنکھیں، سیاہ لمبے بال، سرو قامت، معصومیت سے سرشار، سراپا حسن کی دیوی لگ رہی تھی، اس دن موسم بھی بہت سہانا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مستی کا پیغام دے رہے تھے، پیڑوں کے نیچے جھولا جھولنے میں بہت مزہ آرہا تھا، کوئی ہنس رہی تھی، کوئی گنگنا رہی تھی، کوئی مسکرا رہی تھی، تو کچھ آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھیں۔ سبھی سہیلیاں موج مستی کر رہی تھیں۔ موسم بہار سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹائیں چھانے لگیں بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے سب کی سب سہم گئیں، گھر واپسی کے لیے سوچنے کا موقع بھی نہ ملا کہ گھنگھور گھٹائیں برسنے لگیں، پھر کیا تھا۔ سارے ارمانوں پر پانی پڑ گیا۔ سب کی سب سر چھپانے کی فکر میں سائبان تلاش کر رہی تھیں کہ یکایک ایک کنیز کو ثریا کا خیال آیا کہ ثریا کہاں ہے......؟ پھر تو بارش وارش بھول کر سب ثریا کو تلاش کرنے لگیں، پورا باغ چھان مارا لیکن ثریا کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ کنیزوں اور سہیلیوں کے ہوش اڑ گئے کہ اب نواب صاحب

اور ملکہ نظامی کو کیا جواب دیں گی اور نواب صاحب کا عتاب کیسے جھیلیں گی۔ ان تمام باتوں سے زیادہ ثریا کے گم ہونے کا صدمہ انھیں کھائے جاتا تھا۔

خبر پاتے ہی آناً فاناً ثریا کو تلاش کرنے کی مہم شروع ہوگئی۔ نواب صاحب کو گمان ہوا کہ انھوں نے آج کی عدالت میں جو فیصلہ کیا ہے شاید اس فیصلے سے ناخوش فرقہ کے کسی آدمی نے ثریا کو اغوا کرلیا ہوگا۔ وہ آج پہلی مرتبہ اپنی سخت مزاجی پر نادم ہوئے۔

فوجی لشکر، سپاہی، عوام وخواص اپنے پرائے سب ثریا کو تلاش کرنے میں جٹ گیے۔ لیکن ثریا کا کہیں پتہ نہ چل پایا۔ وہ تو نہ جانے کب سے ایک ہرن کے بچے کے پیچھے دوڑ رہی تھی دوڑتے۔ دوڑتے اب تو وہ ریاست کی سرحدیں بھی پار کرچکی تھی جھٹپٹے کا وقت، بادل چھائے ہوئے تھے اور ہرن کا بچہ نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔ ثریا نے دیکھا کہ وہ تو بیابان جنگل میں ہے ہُو کا عالم طاری ہے نہ کنیزیں ہیں نہ سہیلیاں ہر طرف اندھیرا پھیلتا جارہا تھا۔ بہت روئی چلائی سب کو پکارا مگر یہاں تو آدم نہ آدم زاد مدد کو کون آئے۔ کون فریاد سنے۔ کوئی رفیق نہ غمخوار، تھک کے چکنا چور ہوگئی۔ بھوک اور پیاس نے نڈھال کردیا۔ جس نے کبھی تنہائی نہ دیکھی تھی اسے آج ایسی خوفناک تنہائی سے پالا پڑا ہر طرف کو جا کے دیکھ لیا کہیں کوئی راستہ سجھائی نہ دیا۔ لاچار پریشان ہوکر وہیں بیٹھ گئی۔ لیکن اللہ ہر جگہ ہے اور وہ اپنے بندوں کی مدد ہر حال میں کرتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد یکایک ثریا کی نظر مغرب کی جانب اٹھی جہاں کچھ روشنی سی دکھائی دے رہی تھی اس روشنی کا آسرا پا کر اس میں کچھ حوصلہ پیدا ہوا امید کی کرن جاگی اور بے ساختہ اس جانب دوڑنے لگی وہ روشنی اسے ایک جھونپڑی کے

قریب لے آئی۔

ارے یہ کیا...... یہ تو مرشد بابا ہیں۔ حواس درست کر کے ثریا نے نہایت ادب واحترام سے جھونپڑی کے باہر بیٹھے سفید ریش بزرگ کو سلام کیا۔ بزرگ نے نہایت حیرت و تعجب سے دریافت کیا کہ بیٹی اتنی رات گئے تم یہاں تن تنہا کیونکر بھٹک رہی ہو۔ انھوں نے نہایت شفقت ومحبت کے ساتھ سارا حال سنا اور ثریا کو یقین دلایا کہ وہ اس جھونپڑی میں ہر لحاظ سے محفوظ ہے اور نواب صاحب کو یہ اطلاع دینے کے لیے بے چین ہو اٹھے۔ لیکن علالت کے سبب جا نہ سکے اور کوئی راستہ بھی بھائی نہ دیا بہر حال مرشد بابا نے ثریا کی ملاقات تین لڑکیوں سے کرائی جو تقریباً تیرہ چودہ سال کی یعنی ثریا کی ہم عمر ہوں گی۔ ان تینوں سے مل کر ثریا کو اتنا اچھا لگا کہ وہ سارے غم بھول گئی یہاں تک کہ اب اسے ماں باپ کا بھی خیال نہ رہا۔ ان لڑکیوں میں جو سب سے بڑی تھی وہ نہایت سنجیدہ اور مہذب تھی۔ حسن اخلاق اور عمدہ کارناموں کی وجہ سے اسے سب عزت کے نام سے پکارتے۔ دوسری بہت شوخ اور چنچل تھی بات بات میں چلبلا پن کرتی کہیں اچھل کود کرتی تو کہیں مذاق اڑاتی اور ہر وقت خوش وخرم نظر آتی۔ سب کے دل کو لبھاتی۔ سب اسے دعوت دیتے۔ اس کا نام دولت تھا۔ تیسری کا نام شہرت تھا یہ کمال کا اعتماد رکھتی تھی کچھ بھی کر گزرتی مگر اس پر ذرا آنچ نہ آتی۔ تینوں بلا کی دلکش تھیں۔ ثریا کو ان تینوں سے ملاقات کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ کیسی زندگی گزار رہی تھی۔ کیونکہ اپنے گرد کے محدود ماحول کے علاوہ اُس نے باہر کی دنیا میں قدم رکھا ہی نہیں تھا۔

تین چار دن کے بعد نواب صاحب کے سپاہی تلاش و جستجو میں سرگرداں۔ مرشد بابا کی جھونپڑی تک پہنچ گئے۔ جہاں ثریا زندگی کو نزدیک سے دیکھ رہی تھی۔ نواب صاحب کا پیغام سنتے ہی دم بخود رہ گئی اور کسی صورت سپاہیوں کے ہمراہ جانے کو تیار نہ ہوئی۔ چارو ناچار سپاہیوں کو واپس ہونا پڑا۔ انکا واپس ہونا تھا کہ فی الفور بہ نفسِ نفیس نواب صاحب تکلف کی سواری پر ثریا کو لینے جنگل روانہ ہوئے۔ لیکن یہ کیا.....؟ ثریا تو والد صاحب کے ساتھ جانے کو بھی راضی نہ ہوئی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جان پر کھیل کر اس نے اس دنیا کو حاصل کیا ہے اور زندگی کے نشیب وفراز کو نزدیک سے جانا ہے۔

ثریا کو محل واپسی کے لیے مجبور کیا گیا۔ جو اس شرط کے ساتھ تیار ہوئی کہ ان تینوں بہنوں کو اپنے ساتھ لے کر جائے گی۔ لیکن وہ تینوں ثریا کے ہمراہ جانے پر راضی نہ تھیں۔

مرشد بابا کے حکم پر بڑی بہن تیار ہوئی۔ عزت جب ثریا کے ہمراہ جانے لگی تو اس نے کہا کہ چلنے کو تو میں چلتی ہوں۔ لیکن کتنے دن میں تمہارے ساتھ رہوں گی یہ کوئی نہیں جانتا۔ مجھے سنبھال کر رکھنا آسان کام نہیں۔ ذرا سی چوک پر میرے اور لوگوں کے درمیان میلوں کا فاصلہ حائل ہو جاتا ہے۔ میں جب روٹھ جاتی ہوں اور ایک بار واپس چلی جاتی ہوں تو پھر کبھی واپس نہیں آتی۔

سچ کہا ہے کسی نے "عزت ایک بار چلی جائے تو پھر کبھی واپس نہیں آتی۔" اس کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جسے اللہ منتخب کرتا ہے۔

■

Dr. Zeba Naaz, Nai Basti, Bara Shah Safa, Moradabad - 244001 (UP)

محمد داؤد

مہمانِ خصوصی

جیسے ہی نانا جان سفر سے واپس آئے اور گھر میں قدم رکھا ہم نے دوڑ کر ان کی اٹیچی اچک لی اور لگے اس کو ٹٹولنے۔ اس چکر میں ہماری اور اپی کی جھڑپ بھی ہوگئی۔ اس لیے کہ نانا جان کبھی خالی ہاتھ تو آتے ہی نہیں تھے اور اب کی بار تو ہم نے ان سے کچھ فرمائشیں بھی کرڈالی تھیں۔ البتہ ایک تبدیلی کا کچھ کچھ احساس ہورہا تھا نانا جان اتنے خوش اور ہشاش بشاش نہیں تھے جتنے عام طور پر ہوا کرتے ہیں۔ خیر ہم نے ڈرتے ڈرتے کچھ کہنا چاہا تو اپی نے زور سے ٹوچ لیا کہ "نہیں"۔ نانا جان کو پہلے کچھ ناشتہ پانی تو کراؤ لیکن ہم میں کہاں برداشت تھی آخر نانا جان سے ہمت کرکے پوچھ ہی ڈالا — نانا جان اس بار آپ کچھ پریشان سے نظر آرہے ہیں کیا بات ہے — ہم سے کوئی خطا ہوگئی۔ ہماری فرمائشوں سے تو آپ پریشان نہیں ہوگئے — کہیں آپ کا پرس تو نہیں کھوگیا۔ آخر بات کیا ہے ہم بھی تو جانیں۔ پہلے پہلے تو نانا جان نے ٹالنا چاہا اور جب ہماری ضد زیادہ ہی بڑھ گئی تو

بولے ''تم لوگوں کو معلوم تھا مجھے بنارس ایک جلسہ میں جانا ہے وہاں بچوں کو انعامات تقسیم کرنے ہیں اور بڑی تاکید سے یہ بات کہی تھی میرا کیمرہ اٹیچی میں ضرور رکھ دینا۔ بھول مت جانا۔ مجھے بچوں کے فوٹو لانا ہیں مگر تم سب لوگ مکار نکلے اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ عین وقت پر جب کیمرے کی ضرورت پڑی تو کیمرہ اٹیچی میں نہیں تھا اُدھر جب جلسہ میں پہنچے تو جلسہ ختم ہونے والا تھا ہبڑ تبڑ میں کپڑے بھی نہیں بدل سکا اور ایسے ہی جا کر بیٹھ گیا۔ اب کس کا سر پیٹوں یا خاموش نہ رہوں تو کیا کروں تم لوگوں نے کر ڈالی نا اپنی مکاری۔ منہ پر تو نانا جی بھی نانا جان کہتے ہو اور ایک بات کو بھی کان دے کر نہیں سنتے۔ جاؤ یہاں سے اور میرا کیمرہ ابھی تلاش کر کے دو میں اب اس کو تمھیں ہاتھ بھی لگانے نہیں دوں گا۔

ہمیں بڑی فکر ہوگئی نانا جان نے سارا ماحول سیریس (Serious) کر دیا۔ ہم سب نے طے کیا چلو اٹھو اور سب سے پہلے کیمرہ تلاش کرو۔ چاہے آج اسکول جانے میں کتنی ہی دیر ہو جائے پہلے کیمرہ تلاش ہوگا۔ بس پھر کیا تھا ہم سب سارے گھر کو لپک گئے ایک ایک کونا، الماری، طاق، اپنے اپنے بستے، سب چھان مارے کیمرہ کا کہیں پتہ نہیں تھا ہار تھک کے نانا جان کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ نانا جان آپ کی کیمرے کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ کہیں ایسا تو نہیں سفر میں ہی کسی نے آپ کی اٹیچی سے اسے پار کر لیا ہو۔ سفر میں نیند بھی تو آجاتی ہے اور آج کل ٹرینوں میں بھیڑ بھی خوب چل رہی ہے۔ ہمارے ان دلائل پر نانا جان کا چہرہ اور زیادہ سرخ ہوگیا۔ کہنے لگے تم لوگ انگریزی اسکولوں میں کیا پڑھنے لگے باتیں خوب بنانی آگئی ہیں بس ایک ثوبیہ تو ہے اس کی میں کتنی

تعریف کروں یہ ہی ماں باپ کا نام روشن کرے گی۔ میں جب صبح آیا تو دیکھا وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھی اور تم سب ناشتے کو لپٹ رہے تھے۔ اچھا اب صبر کرو اور اپنے اپنے اسکول جاؤ۔ ثوبیہ اب بھی پریشان تھی اس نے بڑی معصومیت سے کہا اچھا نانا جان ایک بار ہم خود آپ کی اٹیچی دیکھ لیں۔ چھوٹا سا ہی تو کیمرہ ہے کہیں کپڑوں ہی میں نہ ہو— نانا جان تاؤ میں بولے— جاؤ دیکھ لو— اور ہم سب میں پھر حرکت آگئی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ ساری اٹیچی ہی الٹ دی اور جیسے ہی شانوں کی نظر کیمرے پر پڑی نعرۂ تکبیر بلند کر ڈالا۔ پھر کیا تھا سارا کمرہ قہقہوں سے گونج اُٹھا اور لگے نانا جان سے انعام مانگنے نانا جان گھور گھور کر سب کو دیکھ رہے تھے— بتاؤ اس عمر میں ہم بچوں سے چوٹ کھا گئے۔ نانا جان نے فوراً سو روپیہ کا نوٹ نکالا اور ہم کو دیا جاؤ جو جی چاہے لے آؤ۔ ہم نے نوٹ فوراً اپنے قبضہ میں کیا اور اعلان کر دیا آج گھر ہی میں پکنک منے گا اور نانا جان ہمارے مہمانِ خصوصی ہوں گے۔

■

Dr. Mohd Dawood
Multani Clinic, Lohari Sarai, Nageena -(UP)

آنند لہر

ایسا لگے ایمان کا پودا

ایسا شنکھ بجا دے پنڈت
خون رگوں میں پھر سے دوڑے
ایسی بات سُنا دے مُلّا
ٹوٹے ہیں، جو رشتے جوڑے

ظالم کا دربار نہ ہو پھر
کوئی نہ کھینچے کسی کی ساڑھی
عیسیٰ کو پھر ملے نہ سولی
مریم پوجے دنیا ساری

گیتا کے اشلوک ہوں جن میں
ایسی نمازیں ہم کو پڑھا دے
رام محمد ایک ہوں سارے
ایسی گاتھا ہم کو سنا دے

دھرتی کانپی امبر ٹوٹا
کلیوں پر جب چلے ہتھوڑے
ایسا شنکھ بجا دے پنڈت
خون رگوں میں پھر سے دوڑے

ایسی بات سنا دے ساتھی
بچے جھولیں، جھولوں میں پھر
کلیاں گائیں چلیں ہوائیں
آگ نہ چھکیں پھولوں میں پھر

پانی برسے ریگستاں میں
ہریالی ہو ہندوستاں میں
ننگے کو کپڑا پہنائیں
ہم افلاس کو دور بھگائیں

مندر میں ہو آرتی ایسی
مسجد میں ہو ایسی اذاں پھر
پریم نگر کی ان سڑکوں پر
گنگا اور جمنا ہوں رواں پھر

دھرم چلے دنیا میں ایسا
جس میں مندر مسجد سارے
نغمہ پیار کا مل کر گائیں
پریم کے ہر سو چلیں پھوہارے

رشوت والے رشوت چھوڑیں
گھڑا پاپ کا چوک میں توڑیں
کوئی کرے نہ دیش کا سودا
ایسا لگے ایمان کا پودا

■

AnandLahar
Sen. Edv. Plot No 19, Bakhshi Nagar,
Jammu & Kashmir - 180001 (J&K)

جوابات

معلومات کی کسوٹی

جواب: 510100500 مربع کلومیٹر ہے۔

جواب: خشکی کا حصہ (29.1%) یعنی 148950800 اور آبی حصہ (70.9%) یعنی 361149700 مربع کلومیٹر ہے۔

جواب: 149407000 کلومیٹر ہے۔

جواب: 365 دن 5 گھنٹے 48 منٹ اور 45.51 سیکنڈ لگتے ہیں۔

جواب: 23 گھنٹے 56 منٹ 4.09 سیکنڈ لگتے ہیں۔

جواب: فارس اور ایران کے رہنے والوں کو ایرانی یا فارسی کہتے ہیں۔

جواب: رستم و سہراب۔

جواب: انقرہ

جواب: کوئلے، لوہے، سیسہ، جست، کرومیم و باکسائٹ کے ذخائر ہیں۔

جواب: افغانستان کو کہتے ہیں۔

جواب: دہلی کی جامع مسجد۔

جواب: احمد حضرت آمنہ نے اور محمد عبدالمطلب نے رکھا۔

جواب: امیہ بن خلف

جواب: فجار کی لڑائی جو قریش اور قیس میں ہوئی تھی۔

جواب: یہ شعر علامہ اقبال کا ہے۔

جواب: طالب الہاشمی

جواب: دریائے گنگا

جواب: مولانا محمد علی جوہر کا ہے۔

جواب: 327 قبل مسیح۔

جواب: کیونکہ اس باغ میں ایک لاکھ آم کے درخت لگائے گئے تھے۔

جواب: ابوریحان البیرونی۔

جواب: ریڈیم

جواب: 1898 میں ہوئی اور میڈم کیوری نے کی۔

■

Seyd Obaidullah Hashmi
Hashmi Syed Arif, Pathan Mohalla Pathri,
Distt.: Parbhani (MS)

جوابات

مترجم: انیس الدین ملک

رنگ ناشناس کیمیادان

انگلستان کا علم سائنس مزدوروں کے لڑکوں کا بہت مشکور ہے۔ اور جان ڈالٹن (1766-1844) جو ہمارا ایک ممتاز کیمیاداں تھا اس کی ایک زندہ مثال ہے۔ اس کا باپ ایک جولاہا تھا اور کمبرلینڈ گاؤں میں ہاتھ کرگھے پر کام کرتا تھا۔ اس کی ماں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جس سے وہ اپنے خاندان کی کفالت کرتی تھی۔ جان کو گاؤں کے اسکول میں بھیجا گیا۔ وہاں اس نے ایسی ترقی کی کہ بارہ سال کی عمر میں استاد بن گیا اور اپنے خالی اوقات کلاسکی، علم ریاضی اور سائنس کے مطالعے میں گزارنے لگا۔ بعد میں وہ کینڈل کے ایک اسکول میں پڑھانے لگا لیکن وہاں زیادہ دنوں تک نہیں رہا، اور 1793 میں نیو کالج مانچسٹر میں درس دینے لگا۔ یہاں سے اس کا "مانچسٹر فلاسفیکل سوسائٹی" سے لمبا رشتہ قائم ہوا۔

درحقیقت سائنس سے ڈالٹن کی دلچسپیاں بہت وسیع تھیں لیکن اس کی خاص دین ایٹمی نظریہ نے اس زمانے کے علم کیمیا کے اصولوں کی معقول وضاحت کی اور اس کے "کیمیاوی آمیزش کے قوانین" نے انیسویں صدی کے علم کیمیا کی مستحکم بنیاد رکھی۔ اس کام نے ڈالٹن کی شہرت دور دراز تک پھیلا دی۔ بادشاہ، پارلیامنٹ، سائنٹفک سوسائٹیوں اور یونیورسٹیوں سب نے اس کو اعزاز بخشے۔ لیکن وہ ساری زندگی ایک سادہ انسان رہا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس کی تربیت ایک مخلص کیکر خاندان میں ہوئی۔

کیکر عیسائیوں کی ایک جماعت، جس کا نام "دوستوں

کی سوسائٹی" ہے کے رکن ہوتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ ہر شخص خدا کا بچہ ہے اس لیے تمام لوگ ایک بڑے خاندان کے فرد ہیں۔ انھیں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے اور امن وسکون بنائے رکھنا چاہیے۔ اس لیے کیکرس نے جنگ سے انکار کیا، لیکن جب ان کے ملک میں جنگ ہوئی تو وہ ان لوگوں میں اول تھے جنھوں نے میدانِ جنگ میں طبی مدد اور اسی قسم کی انسانی ہمدردی کے کام کے لیے رضاکارانہ خدمت پیش کی۔ یہ مذہب بغیر پادریوں کے ہے۔ کوئی بھی کیکر رسم میں نمایاں حصہ لے سکتا ہے جو ایک ایسے کمرے میں ادا ہوتی ہے جو سادہ فرنیچر سے آراستہ ہوتا ہے اور اسے نشست گاہ کہتے ہیں۔

یہ جماعت سترہویں صدی میں شروع ہوئی جب ضمیر "تو" کا استعمال عام تھا۔ کیکرس نے "تو" کے استعمال کو دوستی اور شناسائی کے طور پر مخاطب کرنے پر زور دیا اور اسے جاری رکھا جبکہ اسے بہت پہلے دوسرے انگریز لوگ ضمیر "تم" استعمال کرنے لگے تھے۔

ڈالٹن کے زمانے میں بیشتر مرد اور عورتیں بہت رنگین اور چمکیلے کپڑے پہنتے تھے اور مالدار قیمتی اور فیشن ایبل کپڑے پہنا کرتے تھے، لیکن ہر کیکر اس بات پر زور دینے کے لیے کہ سبھی برابر ہیں، ایک ہی طرح کے سادے کپڑے پہنتا تھا۔ وہ عموماً خاکی رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ وہ چمکدار رنگ جیسے سرخ، گلنار وغیرہ سے بچتے تھے تاکہ ان کی شخصیت اپنے برابر کے لوگوں میں ممتاز نہ ہو۔

چمکدار رنگ خاص طور سے سرخ رنگ کے بارے میں بہت سی کہانیاں ڈالٹن سے منسوب ہیں کیونکہ اس کی آنکھوں کی روشنی دوسرے لوگوں کی آنکھوں کی روشنی جیسی نہیں تھی۔ جب تک کہ اس نے آنکھ کی اس خامی کے بارے میں تفصیلی مطالعہ نہیں کیا اور اس کے نتائج 1794 میں شائع نہیں کیے تھے۔ اس خامی کے بارے میں لوگوں کو بہت کم واقفیت تھی۔ اس نے لکھا کہ بیشتر لوگ طیف میں چھ رنگ دیکھ سکتے

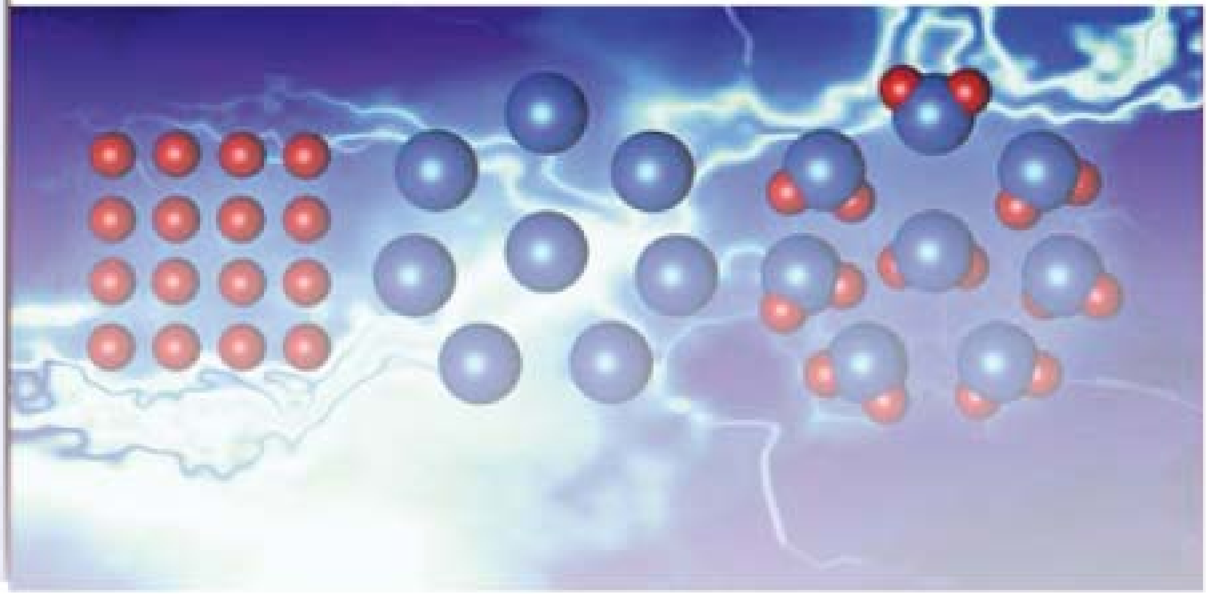

ہیں۔لال، نارنجی، پیلا، ہرا، نیلا اور بنفشی۔لیکن وہ ان رنگوں کو نہیں دیکھ سکتا۔اسے لال رنگ، خاکی یا بادامی رنگ کا ایک دھبہ یا روشنی کا نقص لگتا تھا۔نارنجی اور ہرا ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے لال۔لیکن اس نے کہا کہ وہ نیلے اور بنفشی میں تمیز کر سکتا تھا۔

ڈالٹن کو اپنی نگاہ میں نقص ہونے کا علم اس وقت ہوا جب ایک دن وہ سپاہیوں کا پریڈ دیکھ رہا تھا۔اس کے ایک ساتھی نے ایک سپاہی کو لال کوٹ چمکیلے پن پر اپنی کچھ رائے ظاہر کی لیکن ڈالٹن نے کہا یہ گھاس کے رنگ جیسا دکھائی دیتا ہے۔اس پر سبھی لڑکے مضحکہ خیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔تب اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں اور لوگوں سے مختلف تھیں۔اسے اپنے اس شبہے پر 26 سال کی عمر تک یقین نہیں آیا۔لیکن اس نے جب کچھ پھولوں کو دیکھا تو اس کا شبہ یقین میں تبدیل ہو گیا۔کافی دنوں کے بعد اس نے اس کا بیان لکھا کہ اس نے کیا دیکھا۔

”میں نے 1792 کے خزاں کے موسم میں موم بتی کی روشنی میں اتفاقاً جیرانیم کے پھولوں کا رنگ دیکھا۔ پھول گلابی تھے لیکن دن کی روشنی میں مجھے یہ آسمانی نظر آئے۔ لیکن موم بتی کی روشنی میں اس کا رنگ حیرت انگیز طور پر بدل گیا۔ نیلا ہونے کے بجائے کچھ ایسے رنگ کا ہو گیا جسے میں نے لال کہا۔ میں سمجھا بلا شبہ رنگ کی تبدیلی سب کے لیے برابر ہوگی۔ میں نے اپنے کچھ دوستوں سے درخواست کی کہ وہ اسی عمل کا مشاہدہ کریں۔ مجھے یہ جان کر بہت تعجب ہوا کہ رنگ مادی طور پر دن کی روشنی میں دیکھے ہوئے رنگ سے مختلف نہیں تھا۔“

اپنی رنگ ناشناسی کے ایک دوسرے بیان میں ڈالٹن نے لکھا۔

”گلابی رنگ دن کی روشنی میں آسمانی لگتا ہے جبکہ موم بتی کی روشنی میں ہلکا ہو کر نارنجی یا زرد مائل نظر آتا ہے۔ دن کی روشنی میں قرمزی رنگ گندا نیلا اور قرمزی اونی کپڑے گہرے نیلے رنگ کے نظر آتے ہیں۔“

ڈالٹن کی بینائی میں نقص کی وجہ سے اس کے اور اس

کے ایک دوست کے بیچ مراسلات کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا۔ ڈالٹن نے لکھا ''میں بہت زور دے کر بہت سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے گلابی رنگ اور گلاب دن میں ہلکے نیلے نظر آتے ہیں اور رات میں سرخ مائل پیلے اور قرمزی رنگ نیلا مائل گہرا بادامی نظر آتا ہے۔'' اس پر اس کے دوست نے اس کا مذاق اڑایا'' آپ کے خیالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو صنفِ نازک کی خوبصورتی کے بارے میں بہت ہی نامکمل معلومات ہیں۔ میرا مطلب ہے گالوں کا گلابی ہونا، جس کی آپ ہلکا نیلا سمجھ کر تعریف کرتے ہیں۔'' خط میں آگے لکھا تھا ڈالٹن اگر کسی ایسی لڑکی کو جانتا ہے جو اس طرح کے غیر معمولی رنگ کی مالک ہے تو وہ اس کی بیوی کی بہ نسبت نمائش کے لیے بہتر شے ہوگی۔

اس کی بینائی کے نقص کے سلسلے میں کچھ کہانیاں اس کی سوسائٹی آف فرینڈ شپ کی رکنیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک کہانی کے مطابق اس نے کینڈل میں ایک دکان کی کھڑکی میں موزے کا ایک جوڑا دیکھا جس پر لکھا تھا ''تازہ ترین فیشن کا ریشم'' اس نے اس کا معائنہ کیا اور مادام دیبوراہ کے لیے خرید لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کبھی بھی ریشم کی اسٹوکینگس نہیں پہنتی تھی بلکہ گھر پر بنے ہوئے استعمال کرتی تھی۔ جب اس نے یہ پیش کیا تو وہ غصے سے چلا کر بولی ''جان ابو میرے لیے اسٹوکینگس کا بہت اچھا جوڑا لایا۔ لیکن تجھے اتنا چمکیلا رنگ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں اسے پہن کر جلسے میں نہیں جا سکتی ہوں۔'' جان ماں کے ان فقروں سے بہت پریشان ہوا اور جواب دیا کہ اسٹوکینگس کا رنگ نیلا مائل بادامی لگا کر جو کیکرس کے پہننے کا رنگ ہے۔ کیوں جان یہ تو چیری کی طرح سرخ ہے اس کی ماں نے جواب دیا۔

جان اور اس کے بھائی جوناتھن جسے اس بارے میں اپنا خیال ظاہر کرنے کے لیے بلایا گیا تھا، نے اپنی ماں کی بات کا یقین کیا (کیونکہ جوناتھن بھی رنگ ناشناس تھا) اب ایک خیال کے مخالف دو خیالات تھے۔ مادام دیبوراہ نے اپنے ایک پڑوسی کو اس بارے میں اپنی رائے دینے کے لیے بلایا جس نے یہ کہہ کر معاملہ طے کر دیا کہ بہت اچھا سامان ہے لیکن غیر معمولی قسم کا سرخ ہے۔

کئی سال بعد جب ڈالٹن بہت سے فرانسیسی دانشوروں

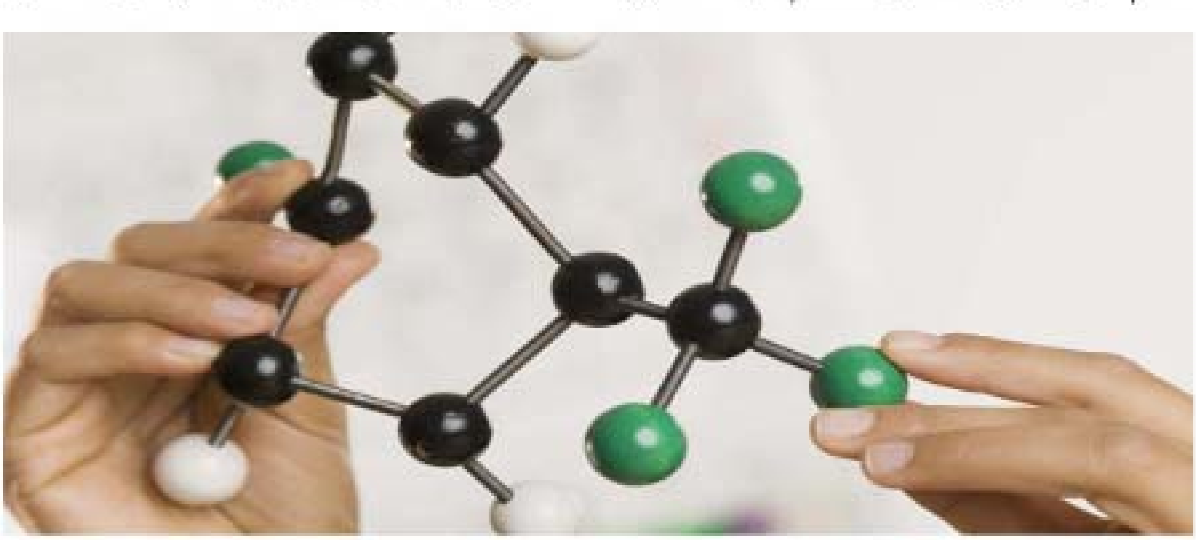

سے ملنے پیرس جارہا تھا تو اس موقع کے لیے اس نے اپنے لیے کپڑے بنوانے کی بات سوچی۔ وہ مانچسٹر کی ایک درزی کی دکان پر پہنچا۔ وہاں سب اسے اچھی طرح ہی جانتے تھے۔ وہاں اس نے کاؤنٹر پر رکھے ایک کپڑے کا اپنے لیے سوٹ تیار کرنے کو کہا۔ درزی کو بڑی حیرت ہوئی اس لیے کہ ڈالٹن ایک کیکر تھا اور یہ سرخ رنگ کا کپڑا شکاری کوٹ بنانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

مانچسٹر میں قیام کے دوران ڈالٹن کو اپنے سائنسی کارناموں کی وجہ سے بہت شہرت ملی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے اسے اعزازی سند دی اور اس کے ملازمت سے دست برداری کے بعد حکومت نے اسے معقول پنشن دیا۔ اس کے علاوہ اسے بادشاہ کے سامنے شاہی استقبال کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ایک مشہور سائنس داں نے اس سلسلے میں انتظامات کیے۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ ڈالٹن کیکر ہونے کی وجہ سے درباری لباس میں نہیں جاسکتا کیونکہ اس حالت میں اسے تلوار بھی لگانی پڑے گی۔

اس لیے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ڈالٹن کو ڈاکٹر آف لا کی خلعت پہننی چاہیے۔ یہ خلعتیں سرخ رنگ کی تھیں اور کیکرس چمکیلے رنگ کی پوشاک نہیں پہنتے تھے۔ ڈالٹن کے لیے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا کیونکہ اسے خلعت خاکی رنگ کی نظر آتی تھی اس لیے اس نے پہننا منظور کرلیا۔ وہ سائنس داں جس نے ڈالٹن کو سند پیش کرنے کے سلسلے میں انتظامات کیے تھے لکھتا ہے:

"ڈاکٹر آف لا کی خلعت درسگاہ کی تقریبات کے علاوہ شاذ و نادر استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ڈالٹن کی پوشاک بہت سے لوگوں کی توجہ کا اور تجسس کا مرکز بنی اور مجھے اپنے بہت سے دوستوں سے اس بات کی وضاحت کرنی پڑی کہ وہ کون سی شخصیت تھی، لوگوں کی عام رائے یہ تھی کہ وہ کسی کارپوریشن والے شہر کا میر ہے جو اعزاز قبول کرنے آیا تھا۔ میں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ کسی شہر کے میر سے ممتاز شخصیت ہے اور اس کی شخصیت اتنی عظیم ہے کہ اس وقت جب لوگ نائٹ ہوڈ کو بھول جائیں گے، اس کا نام باقی رہے گا۔ اسے یہ خواہش کبھی نہیں تھی کہ اسے اعزاز سے نوازا جائے۔"

ڈالٹن کے اس رنگ ناشناسی کے موضوع پر مطالعے کی وجہ سے اس خاص قسم کی رنگ ناشناسی کو جس میں وہ مبتلا تھا، ڈالٹن ازم کہتے ہیں۔ اس کا یہ یقین تھا کہ اس بیماری کی وجہ وہ رقیق ہے جو آنکھ کے اندر ہوتا ہے اور جو طیف کے سرخ سرے کو جذب کرلیتا ہے۔ اس طرح کچھ رنگ ریٹینا تک نہیں پہنچ پاتے۔ اس لیے جو شخص بھی اس نقص میں مبتلا ہوتا تھا، وہ اس کی موجودگی سے محروم ہوتا تھا۔ اپنے اس خیال کی تصدیق کے لیے اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کی موت کے بعد اس کی آنکھوں کی جانچ کی جائے۔

اس کے ایک ڈاکٹر دوست ایلسم نے اس کا پوسٹ مارٹم کیا اور مرحوم سائنسداں کی ایک آنکھ نکال لی۔ ایک بیان کے مطابق اس نے اس آنکھ کو اپنی آنکھ کے سامنے لاکر پہلے ایک سرخ سفوف اور پھر ایک نیلے سفوف کی طرف دیکھا۔ ہر ایک سفوف اپنے اصلی رنگ کا نظر آیا۔ معائنہ کے بارے میں ایک اور بیان کے مطابق اس نے آنکھ سے ایک رقیق نچوڑا اور اسے گھڑی کے شیشے پر رکھا۔ پہلے اس نے سرخ سفوف کے اوپر پھر ہرے سفوف کے اوپر رکھا۔ دونوں سفوف اپنے قدرتی رنگوں میں نظر آئے۔ اس طرح ایلسم اس نتیجے پر پہنچا کہ آنکھ کا اندرونی رقیق رنگوں کی تبدیلی کا سبب نہیں تھا۔

ماخذ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

حافظ کرناٹکی

مصوّری

کاغذ، قلم ہے سامنے، منظر بنائیے
کچھ کھینچیے خطوط کوئی گھر بنائیے
بادل سفید، نیلے فلک پر دکھائیے
کچھ ان کے نیچے قدرتی منظر بنائیے
باغوں کے آس پاس ہو اک خوشنما سا سین
ہر اک نظارہ سامنے آنکھوں کے ہو حسین
اک ٹوکری میں بھر کے رکھیں اس طرح کچھ آم
جو دیکھ لے وہ دیکھتا رہ جائے صبح و شام
موتی محل ہو ایسا درختوں کے درمیاں
ہوجائے دیکھنے سے اسے اصل کا گماں
پھر اس محل کے کمرے میں ہو خوشنما پلنگ
رہ جائے کھب کے آنکھوں میں بس چادروں کا رنگ
تکیے کے پاس میز پہ رکھی ہو اک کتاب
جس میں ہو نقشِ دریا و صحرا و آفتاب
آجاؤ آج سیکھ لیں فنِ مصوری
حافظ نے کی ہے نظم میں بچو! جو رہبری ■

Hafiz Karnataki
General Secretary Anjuman-e-Atfal, Post
Box: 6, Shikaripur, Shimoga-577427 (KS)

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

ماں کے حوالے سے کچھ منتخب اشعار

یہ ایسا قرض ہے جو میں ادا کر ہی نہیں سکتا
میں جب تک گھر نہ لوٹوں میری ماں سجدہ میں رہتی ہے

کیا جانے کہاں ہوتے مرے پھول سے بچے
ورثے میں اگر ماں کی دعا بھی نہیں ملتی

تیرے دامن میں ستارے ہیں تو ہوں گے اے فلک
مجھ کو اپنی ماں کی میلی اوڑھنی اچھی لگی

کچھ نہیں ہوگا تو آنچل میں چھپا لے گی مجھے
ماں کبھی سر پہ کھلی چھت نہیں رہنے دے گی

یہیں رہوں گا کہیں عمر بھر نہ جاؤں گا
زمین ماں ہے اسے چھوڑ کر نہ جاؤں گا

ابھی زندہ ہے ماں میری مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا
میں گھر سے جب نکلتا ہوں دعا بھی ساتھ چلتی ہے

جب بھی کشتی مری سیلاب میں آجاتی ہے
ماں دعا کرتی ہوئی خواب میں آجاتی ہے

کسی کے پاس آتے ہیں تو دریا سوکھ جاتے ہیں
کسی کی ایڑیوں سے ریت کا چشمہ نکلتا ہے

مجھے بھی اس کی جدائی ستاتی رہتی ہے
اسے بھی خواب میں بیٹا دکھائی دیتا ہے

میں نے روتے ہوئے پونچھے تھے کسی دن آنسو
مدتوں ماں نے نہیں دھویا دوپٹہ اپنا

ماں ترے بعد بتا کون لبوں سے اپنے
وقتِ رخصت مرے ماتھے پہ دعا لکھے گا

چھوٹے سے اک قصور کی اتنی سزا نہ دے
ماں جتنا چاہے مار مگر بددعا نہ دے

میں نے کل شب چاہتوں کی سب کتابیں پھاڑ دیں
صرف ایک کاغذ پہ لکھا لفظ ماں رہنے دیا

گھیر لینے کو مجھے جب بھی بلائیں آگئیں
ڈھال بن کر سامنے ماں کی دعائیں آگئیں

اب بھی چلتی ہے جب آندھی کبھی غم کی رانا
ماں کی ممتا مجھے بانہوں میں چھپا لیتی ہے

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

گردشیں لوٹ گئیں میری بلائیں لے کر
گھر سے نکلا تھا میں ماں کی دعائیں لے کر

چمک سی آگئی بوڑھی اداس آنکھوں میں
جو ماں کے ہاتھ میں بچے نے سب کمائی دی

لبوں پہ اس کے کبھی بددعا نہیں ہوتی
بس ایک ماں ہے جو مجھ سے خفا نہیں ہوتی

ماں مجھے دیکھ کے ناراض نہ ہوجائے کہیں
سر پہ آنچل نہیں ہوتا ہے تو ڈر لگتا ہے

سید عبیداللہ ہاشمی

معلومات کی کسوٹی

سوال 1: زمین کا کل رقبہ کتنے مربع کلو میٹر ہے؟

سوال 2: زمین کا خشکی کا حصہ اور تری کا (آبی) کا حصہ کتنے مربع کلو میٹر ہے؟

سوال 3: زمین کا سورج سے اوسط دوری کتنی ہے؟

سوال 4: زمین کو سورج کے گرد چکر لگانے کے لیے کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ، کتنے سیکنڈ لگتے ہیں؟

سوال 5: زمین کو اپنے محور پر چکر لگانے میں کتنے گھنٹے، کتنے منٹ، کتنے سیکنڈ لگتے ہیں؟

سوال 6: ایران کا دوسرا نام کیا ہے؟ اور وہاں کے رہنے والوں کو کیا کہتے ہیں؟

سوال 7: ایران کے دو مشہور پہلوان کے نام بتاؤ؟

سوال 8: ترکی کی راجدھانی کا نام بتایئے؟ اس کی آبادی تقریباً 35 لاکھ ہے؟

سوال 9: ایران میں کون سی دھاتوں کے ذخائر ہیں؟

سوال 10: میوے کا دیس کسے کہتے ہیں؟

سوال 11: اس مسجد کا نام بتایئے؟ جسے شاہ جہاں نے تعمیر کرایا تھا اور اس مسجد کو بنے ہوئے تقریباً ساڑھے تین سو سال ہو گئے ہیں؟

سوال 12: حضور کا نام 'احمد' محمدؐ کس نے رکھا؟

سوال 13: حضرت بلالؓ کس کے غلام تھے؟

سوال 14: اسلام سے پہلے عربوں میں ایک خطرناک لڑائی ہوئی تھی اس کا نام بتایئے؟

سوال15: یہ شعر کا ہے؟

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشہ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

سوال 16: خیرالبشرؐ کے چالیس جاں نثارؓ یہ کتاب کس نے لکھی ہے؟

سوال17: بھارت میں بہت سارے دریا ہیں لیکن سب سے اہم دریا کون سی ہے؟

سوال18: یہ کس کے لیے کہا گیا ہے؟

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو
بوڑھی اماں کا کچھ غم نہ کرنا
کلمہ رہ کے شہادت کا مرنا

سوال 19: کون سی قبل مسیح میں آم کی دریافت ہندوستان میں ہوئی تھی؟

سوال 20: مغل بادشاہ اکبر نے دربھنگہ میں آم کا باغ لگوایا تھا جسے 'لکھی باغ' کے نام سے پکارا گیا کیوں؟

سوال 21: گیارہویں صدی عیسوی میں افغانستان سے ایک بہت بڑے عالم ہندوستان آئے، ان کا نام کیا تھا؟

سوال 22: کون سی ایک ایسی قیمتی اور کامیاب دھات ہے، جس سے روشنی کی ایسی شعاعیں نکلتی ہیں جن کی رفتار کا اندازہ سائنس دانوں نے تقریباً دو لاکھ ننانوے ہزار چار سو ساٹھ کلومیٹر سیکنڈ لگایا ہے؟

سوال23: ریڈیم کی دریافت کب ہوئی اور کس نے کی؟

■

Seyd Obaidullah Hashmi
Hashmi Syed Arif, Pathan Mohalla Pathri,
Distt.: Parbhani (MS)

شبیر احمد میر

3 اچھی باتیں

1. تین چیزیں انسان کو زندگی میں ایک بار ملتی ہیں:
والدین، حسن، جوانی
2. تین چیزیں کبھی چھوٹی نہ سمجھیں:
فرض، قرض، مرض
3. تین چیزیں خلوص دل سے کرنی چاہیے:
رحم، کرم، دعا
4. تین چیزیں ہر ایک کی جدا جدا ہوتی ہیں:
صورت، سیرت، قسمت
5. تین چیزیں بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتی ہیں:
زن، زر، زمین
6. تین چیزیں پردہ چاہتی ہیں:
کھانا، دولت، عورت
7. تین چیزیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے:
سچائی، فرائض، موت
8. تین چیزیں انسان کو ذلیل کرتی ہیں:
چوری، چغلی، جھوٹ
9. تین چیزیں ہر ایک کو پیاری ہوتی ہیں:
عورت، دولت، اولاد
10. تین چیزیں کوئی دوسرا نہیں چرا سکتا:
علم، عقل، ہنر
11. تین چیزیں سوچ سمجھ کر اٹھانی چاہیے:
قلم، قسم، قدم
12. تین چیزیں دیکھنے سے ثواب ملتا ہے:
کعبۃ اللہ، قرآن مجید، والدین
13. تین چیزیں ہمیشہ وسیع کرنی چاہیے:
دسترخوان، صدقہ، خیرات
14. تین چیزیں کسی کا انتظار نہیں کرتیں:
وقت، موت، گاہک
15. تین چیزیں نکل کر کبھی واپس نہیں آتیں:
تیر کمان سے، بات زبان سے، روح جان سے

■

Sabir Ahmad Mir
Repora New Colony
Ganderbal - 191131 (Kashmir)

جنگل کی انوکھی دنیا

محمد اعجاز

پیارے بچو! آج ہم تمھیں جنگل کی انوکھی دنیا کی سیر کراتے ہیں جہاں قدرت نے ہر جانور کو زندگی گزارنے کے لیے کوئی نہ کوئی ہنر ضرور دیا ہے۔

لٹکے ہیں پر اٹکے ہیں

یہ سچ ہے کہ تم پارک میں لوہے کے ڈنڈے یا باغیچے میں کسی پیڑ کی ڈال پر لٹک جاتے ہوگے تو کچھ ہی منٹ میں ہاتھ تھک جاتے ہوں گے۔ لیکن اب دیکھو سلاتھ (Sloth) کو جو جنوبی امریکا کا نہایت ہی سست رو جانور ہے۔ یہ جنوبی امریکا کے

جنگلوں میں بسیرا بنانے والا دنیا کے سست جانوروں میں ٹاپ پر ہے۔ یہ ایک گھنٹے میں سات آٹھ میٹر سے زیادہ نہیں چلتا پھرتا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اپنی زندگی پیڑوں/ درختوں پر لٹکتے ہوئے گزارنے میں بھروسہ رکھتا ہے۔ لیکن سلاتھ کے ہاتھ پاؤں کافی مضبوط ہوتے ہیں۔ لگاتار لٹکنے کے باوجود اسے اتنی تھکان کبھی محسوس نہیں ہوتی کہ یہ پھسل کر نیچے گھوم رہے شکاریوں کا شکار ہو جائے۔

دس منٹ میں دس بالٹی

گرمیوں کے موسم میں ہمیں منٹ منٹ پر پیاس لگتی ہے لیکن کیا تم نے سوچا ہے کہ ہمیشہ ہی گرم ریگستان میں رہنے والے اونٹ پیاس سے مقابلہ کرنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کرتے ہیں؟ دراصل 'ریگستان کا جہاز' کہلانے والے اونٹ کو قدرت نے بہت ہی انوکھا واٹر ٹینک دیا ہے۔ پیاسا ہونے پر کوئی

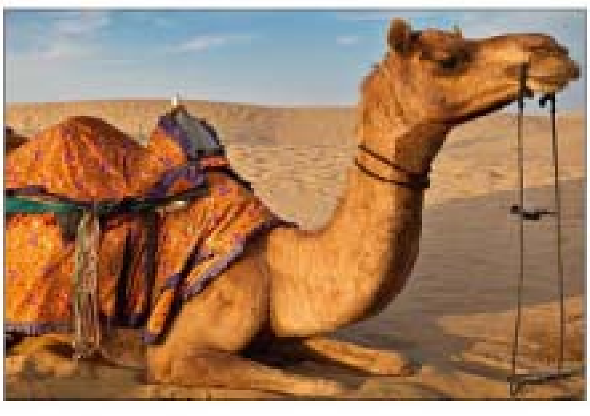

اونٹ دس منٹ میں لگاتار دس بالٹی تک پانی پی سکتا ہے اور پانی دستیاب ہونے کی صورت میں ایسا کرتا بھی ہے۔ جسم میں محفوظ یہ پانی اسے پیاس اور تپش دونوں سے ہی کئی دنوں تک بچاتا ہے جبکہ بھوک کا مقابلہ کرنے میں کام آتی ہے اس کے کوہان میں جمع چربی۔

ڈنک سے کیسا ڈر

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ بھالو کی من پسند غذا ہے شہد۔ شہد کھانے کے لیے یہ کسی بھی حد سے گزر جاتا ہے اور کافی اونچے درختوں سے لے کر پہاڑی دروں تک پہنچ جاتا ہے۔

بھالو کو اپنے چھتے کو ہلاتے دیکھ کر شہد کی مکھیاں اس پر کافی تیزی سے حملہ کر دیتی ہیں لیکن اپنی موٹی روئیں دار کھال کی وجہ سے ان کے ڈنک کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔ شہد کھانے کے دوران بھالو اپنے چہرے پر ایک ہاتھ کو کار کے وائپر Wiper کی طرح گھماتا رہتا ہے تاکہ شہد کی مکھیاں اس ہاتھ کے رویوں میں ہی الجھی رہیں اور انھیں اس کی ناک پر کاٹنے کا موقع نہ مل پائے۔

رفتار کا سپر فاسٹ (Super Fast)

زندہ رہنے کا موقع اللہ ہر ایک کو دیتا ہے چاہے وہ شکار ہو یا شکاری۔ مثال کے طور پر افریقہ میں پائے جانے والے چیتے بہت ہی شاطر و چالاک شکاری مانے جاتے ہیں لیکن ان کے

شکار بھی کچھ کم طاقت ور نہیں ہوتے۔ زیبرا، زراف اور جنگلی بھینسوں کے درمیان زندگی گزارنے والے اس جانور کو قدرت نے دنیا کا سب سے تیز رفتار جانور بھی بنایا ہے۔ اسی وجہ سے یہ نہ صرف اپنے شکاریوں کے جھنڈ پر تیزی سے حملہ کر پاتا ہے بلکہ کسی حملے کی صورت میں پلک جھپکتے بھاگ بھی سکتا ہے۔ کوئی بھوکا چیتا اپنے شکار کا پیچھا کرتے ہوئے لگ بھگ سو کیلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار پکڑ سکتا ہے۔ اس رفتار میں توازن (Balance) برقرار رکھنے کے لیے بہت کارگر ثابت ہوتے ہیں اس کے نوکیلے پنجے۔ تمھیں یہ بات بھی معلوم

ہونی چاہیے کہ اسی سے متاثر ہوکر اولمپک کھلاڑیوں کے اسپائک شوز (Spike Shoes) ایجاد کیے گئے تھے جو پھسلن روکنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

بڑی چٹوری، زبان لیس دار

اگر ننھی سی چیونٹی تمھیں کاٹ لے تو خوب جلن ہوتی ہے لیکن چیونٹی خور (Anteater) کے لیے تو یہ ایک شاندار دعوت کا

انتظام ہے۔ اگر تقدیر ساتھ دے تو میکسیکو اور وسطی امریکا میں پایا جانے والا یہ جانور ایک بار میں تیس ہزار سے پینتیس ہزار چیونٹیوں تک چٹ کر جاتا ہے۔ غذا کی تلاش میں نکلا چیونٹی خور اپنے لمبے ناخوں سے جنگلی چیونٹیوں کے بنائے ہوئے مٹی کے تودہ یا گھر (Anthill) کو توڑ ڈالتا ہے۔ جیسے ہی چیونٹیاں باہر نکلتی ہیں یہ اپنی لمبی لیس دار زبان پھیلا کر ایک بار میں اوسطاً پانچ ساڑھے پانچ سو چیونٹیوں کو چاٹتے ہوئے منہ کے اندر ڈال لیتا ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ یہ انھیں پورا ہی نگل جاتا ہے کیونکہ قدرت نے اسے کھانا چبانے کے لیے دانت دیے ہی نہیں ہیں۔

پونچھ کی مضبوط پکڑ

جنوبی امریکا میں پائے جانے والے کچھ بندر صرف اپنی پونچھ کو پھنسا کر مزے سے پیڑوں کی شاخوں پر لٹک جاتے ہیں اور ان کے دونوں ہاتھ پھل توڑ کر کھانے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔ دوسرے بندروں کی طرح جن کی پونچھ پوری طرح

سے رویوں سے ڈھکی ہوتی ہے، ان بندروں کی پونچھ کے سرے کی کھال کسی انسان کی ہتھیلی کی طرح کھلی اور گدی دار ہوتی ہے۔

پنچ میں اونچی پتیاں

زراف کی گنتی دنیا کے سب سے اونچے جانوروں میں کی جاتی

ہے اوراس کی وجہ سے اسے خوب فائدہ بھی ملتا ہے۔ افریقہ کے گرم علاقوں میں پایا جانے والا یہ جانور اپنی لمبی گردن کی مدد سے پیڑوں کی سب سے اونچی شاخوں پر موجود پتیاں بھی کھالیتا ہے۔ اگر یہ پھر بھی اس کے منہ کی پہنچ سے دور ہوں تو کام آتی ہے اس کی لگ بھگ آدھا میٹر لمبی زبان۔ قدرت کے اس انوکھے عطیہ کی وجہ سے زراف کے لیے ناگہانی صورتوں میں بھی زندگی گزارنا ممکن ہوجاتا ہے کیونکہ دیگر جانور اتنی اونچائی تک پہنچ کر پتیاں نہیں کھاسکتے۔

اونچی کود کا استاد

آسٹریلیا میں پایا جانے والا کنگارو تمھیں دیکھنے میں کتنا ہی پیارا لگے لیکن دوسرے شکاری جانوروں کو تو یہ گوشت کا چلتا پھرتا پہاڑ ہی نظر آتا ہے۔ شکاری جانوروں سے بچنے اور اونچے نیچے میدانوں کو تیزی سے پار کرکے بھاگنے کے لیے ہی شاید قدرت نے اسے اونچی کود کا چیمپین بنا دیا ہے۔ تمھیں یقین ہو یا نہ ہو لیکن یہ بات سچ ہے کہ خطرہ محسوس کرنے پر کنگارو لگ بھگ تین میٹر اونچی چھلانگ مارتے ہوئے بہت تیز رفتاری سے غائب ہوسکتا ہے۔ اس دوران یہ اپنی موٹی پونچھ سے توازن برقرار رکھتا ہے۔ اگر یہ ایسا نہ کرے تو منہ کے بل زمین پر گرسکتا ہے۔ چھلانگ کی بدولت ہی کنگارو کی

رفتار دنیا کے سب سے تیز رفتار گھوڑوں کے برابر مانی گئی ہے۔ بچو! اس کی بڑی اور مضبوط پچھلی ٹانگوں کی زد میں آنے کی کبھی کوشش بھی مت کرنا کیونکہ دُلتی مار کر یعنی پچھلی دونوں ٹانگیں ایک ساتھ اٹھا کر مارنے اور جبڑا توڑنے میں بھی یہ چیمپین ہے۔

■

Md Aijaz
Vill. Raja Tola Harlakhi, P.O. Harlakhi, Via: Humgaon Kothi, Madhubani - 847240 (Bihar)

دہلی کے کچھ مشہور اور اہم سیاحتی مقامات

لال قلعہ

قطب مینار

ہمایوں کا مقبرہ

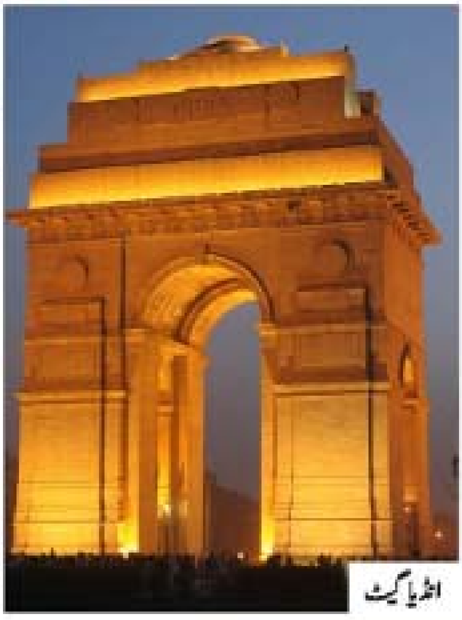

انڈیا گیٹ

اکشر دھام مندر

صفدر جنگ کا مقبرہ

جامع مسجد

جنتر منتر

راج گھاٹ

لوٹس ٹیمپل

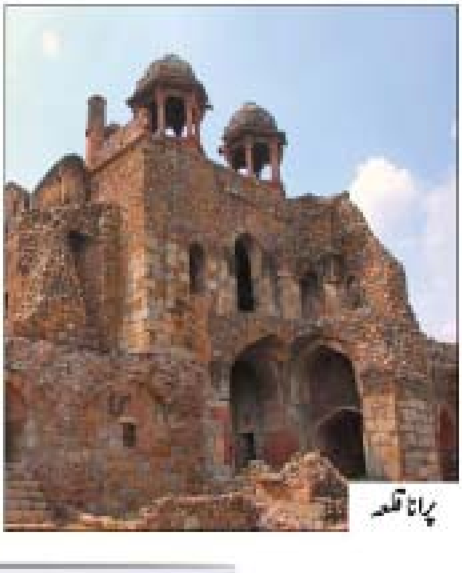

پرانا قلعہ

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کرسکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں۔

ہنسی کے غبارے

ایک شخص ایک مرتبہ اپنے دوست سے ملنے گیا اور حال چال پوچھنے کے بعد کہنے لگا: دوست میں تمھارے ساتھ 100 روپے کی شرط لگاتا ہوں اگر تم یہ بتادو کہ میں تم سے کیوں ملنے آیا ہوں؟

دوست نے سوچ کر کہا: ہاں مجھے معلوم ہے تو مجھ سے کچھ لینے آیا ہے۔

یہ سن کر اس شخص نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔ دیکھا میں جیت گیا میں تو صرف تیری صورت دیکھنے آیا تھا۔ نکال سو روپے۔

عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ ملزم پر الزام تھا کہ اس نے ایک آدمی کی بہت بری طرح پٹائی کی تھی۔ جج نے پوچھا: تم نے اس آدمی کی اتنی پٹائی کیوں کی؟

جناب اس نے مجھے پچھلے سال دریائی گھوڑا کہا تھا۔

لیکن تم نے تو پٹائی اب کی ہے۔

ہاں جناب! کل میں نے پہلی دفعہ دریائی گھوڑا دیکھا ہے۔

ریلوے کراسنگ پر چوکیدار کی پوسٹ کے لیے انٹرویو ہو رہا تھا۔ ایک امیدوار سے پوچھا گیا ایک ہی لائن پر اگر دو ٹرینیں آ رہی ہوں تو تم انھیں کیسے روکو گے؟

جواب ملا: لال جھنڈی دکھاؤں گا۔ اگر جھنڈی نہ ملے تو لال پگڑی یا لال شرٹ اتار کر دکھاؤں گا۔ اگر رات کا وقت ہوا تو لال بتی دکھاؤں گا اور اگر وہ بھی نہ ملی تو سب گھر والوں کو بلاؤں گا کہ آؤ تم لوگوں نے ریلوے کی اتنی زبردست ٹکر پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

ایک باغ کے رکھوالے نے دیکھا کہ ایک شرارتی لڑکا سیب کے درخت پر چڑھا ہوا تھا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا: درخت کے اوپر چڑھ کر کیا کر رہے ہو؟

جناب! آپ کا سیب گر گیا تھا۔ اُسے دوبارہ شاخ پر لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ایک شخص نے مٹھائی کی دکان کھولی۔ اُسے ایک ملازم کی تلاش تھی۔ اس نے اپنے دوست سے کہا کہ مجھے ایک ایسا انسان چاہیے جو میری دکان سنبھال سکے۔ دوست نے پوچھا کہ کیسا ملازم چاہیے۔ بوڑھا، جوان، کنوارا، شادی شدہ، تعلیمی لیاقت کیا ہونی چاہیے۔ اس شخص نے کہا کہ وہ کیسا بھی ہو میری دکان کے لیے مناسب ہوگا۔ بس میری ایک شرط ہے کہ اسے ذیابیطس (شکر) کا مرض ہوتا کہ میری مٹھائی بچی رہے۔

محمد عمیر مسعود اختر بشارتی

ایمانداری کا پھل

کئی سال پہلے کی بات ہے۔ ایک لکڑہارا تھا۔ وہ بہت محنتی اور ایماندار تھا۔ وہ آبادی سے الگ تھلگ ایک جنگل میں رہتا تھا۔ وہ روز لکڑیاں کاٹتا اور شہر کے چھوٹے بازار میں بیچ آتا۔ اس کی زندگی سکون سے گزر رہی تھی۔ ایک دن وہ لکڑی کاٹنے ندی کے کنارے گیا۔ کاٹتے کاٹتے اس کی نظر ندی میں بہتے ہوئے تیزی سے آرہے صندوق پر پڑی۔ لکڑہارے نے اس صندوق کو بڑی مشکل سے نکالا۔ اس صندوق پر لکھا تھا ''کھولنا منع ہے۔'' لکڑہارے کے دل میں کئی سوال پیدا ہونے لگے کہ اس کے اندر کیا ہے۔ وہ سوچنے لگا اگر خزانہ ہوا تو وہ امیر ہوجائے گا۔ مگر کچھ اور رہا تو؟ اسے خوف اس لیے ہورہا تھا کیونکہ اس کے ملک کے راجا کی دوسرے ملک کے راجا کے ساتھ جنگ تھی اور دوسرے ملک کے راجا نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ راجا اور اس کے خاندان کو مار کر ندی میں پھینک دے گا اور اگر کسی نے بچانے کی کوشش کی تو وہ بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ اس نے اس صندوق کو گھر میں رکھ دیا اور سوگیا۔

صبح وہ اپنے دل پر قابو نہ رکھ پایا اور اس نے صندوق کو کھول دیا۔ اس نے جب صندوق کو کھولا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہوا کہ اس صندوق میں ملک کے راجا کا شہزادہ تھا جس کے بارے میں سنا گیا تھا کہ وہ جنگ میں ایک ہفتے پہلے دشمنوں کی قید میں آگیا۔ شہزادہ زخموں سے چور تھا اور بے ہوش تھا۔ لکڑہارا بہت ڈر گیا کیونکہ دشمن راجا کے سپاہی بھیس بدل کر شہر میں گھوم رہے تھے۔ اس نے اس بات کو راز رکھا اور شہزادے کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ جب تک جنگ ختم نہیں ہوتی وہ اسے اپنے پاس ہی رکھے گا۔ یہاں جب راجا کو

خبر ملی کہ اس کا بیٹا دشمنوں کی قید میں ہے تو وہ بہت غمگین ہوگیا۔ اس نے ایسی چال چلی کہ سارے جنرل غیر ملکی راجا کے جو تھے انھوں نے بغاوت کردی اور اپنی فوج کو لے کر چلے گئے۔ غیر ملکی راجا کو جب قیدی بنایا گیا تو معلوم ہوا کہ شہزادہ اس کی قید میں نہیں ہے تو وہ اور بھی اداس و غمگین اور پریشان ہوگیا اور پھر راجا نے شہزادے کو ڈھونڈنے کے لیے سپاہی بھیجے۔ جاسوس بھیجے اور جگہ جگہ یہ اعلان کیا گیا کہ جو شہزادے کو ڈھونڈ کر لائے گا اسے اشرفیوں سے مالا مال کردیا جائے گا۔ ہر طرف شہزادے کو ڈھونڈنے کے لیے لوگ روانہ ہوئے۔

جب لکڑہارا شہر کے بازار میں اپنی لکڑیاں بیچنے پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ جنگ ختم ہوچکی ہے اور راجا اپنے شہزادے کو ڈھونڈ رہا ہے۔ یہ جان کر لکڑہارے نے اسے بادشاہ کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا اور فوراً گھر کی طرف روانہ ہوا۔

جب وہ گھر پہنچا تو شہزادہ کھیل رہا تھا اور اب اس کے زخم بھرنے لگے تھے۔ لکڑہارے نے اسے پوری بات بتائی۔ پھر لکڑہارہ اسے لے کر راجا کے محل کی طرف نکلا۔

جب وہ راجا کے دربار میں حاضر ہوا تو راجا اپنے شہزادے کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا اور لکڑہارے کو اشرفیوں سے مالا مال کردیا اور اسے اپنے دربار میں اعلیٰ مقام عطا کیا۔ ملکہ نے بھی اسے اپنے بیش قیمتی ہار دیے۔ اس کے بعد لکڑہارا چین کی زندگی جینے لگا اور ہر طرف امن وامان قائم ہوگیا۔

■

Mohd Umair Masood Akhtar Basharti
Plot:16, Room No 1079, Lotus Colony/
Shivaji Nagar Govindi, Mumbai - 43

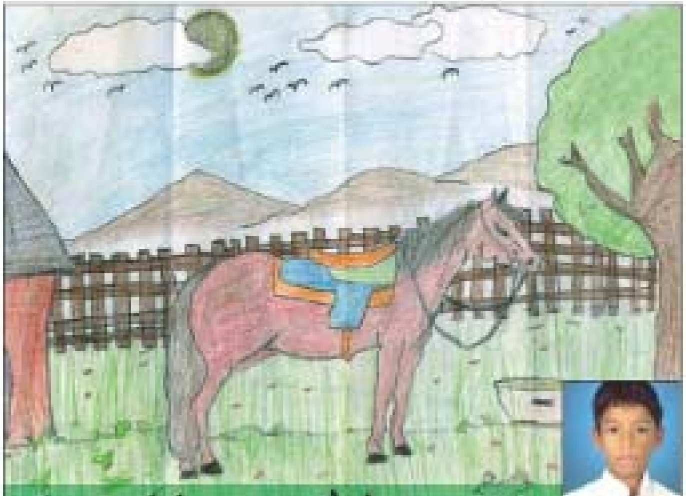

محمد اویس عبدالواجد، کلاس نہم، انجمن انوار الاسلام، ہائی اسکول، بالاپور، اکولہ

بشریٰ بی، درجہ ششم، سیکشن بی، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

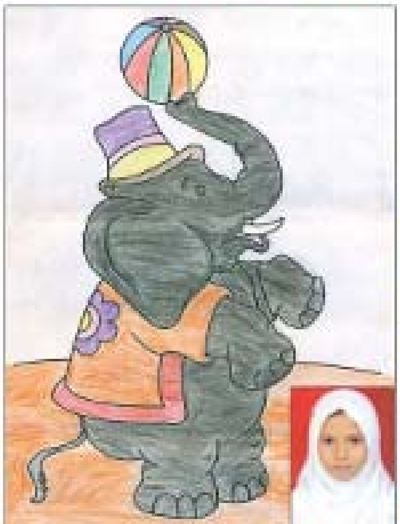

ثانیہ امام تمبولے، درجہ چہارم، جی پی پورن پراتھمک اردو اسکول

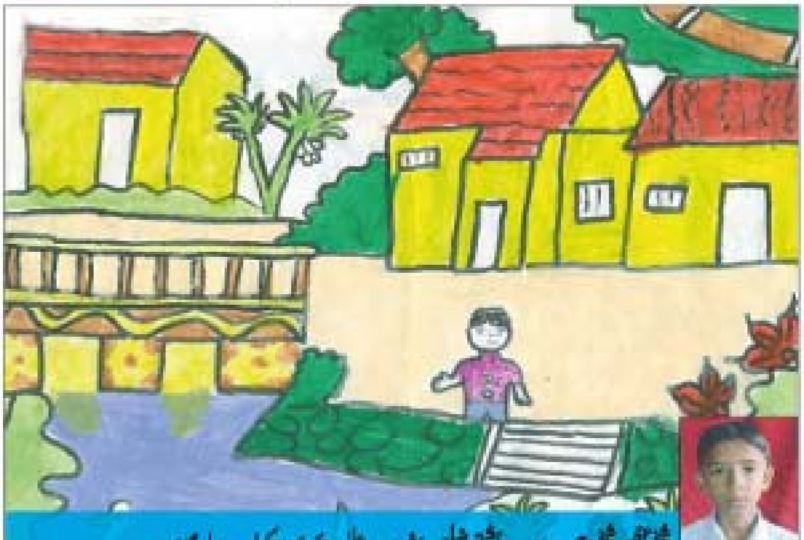

شیخ عظیم شیخ عثمان، جماعت: ہشتم، ضلع پریشد اردو اعلیٰ پرائمری اسکول، دیول گاؤں

شبلی فاطمہ درجہ پنجم، سیکشن ب، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

عادل رضا: درجہ ہفتم، سیکشن الف
سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

محمد سفیان عبدالسلام، درجہ ہشتم، نیشنل اردو ہائی اسکول، دھولے

میمونہ خان، ششم، سیکشن بی، سنوے سینئر سیکنڈری اسکول، رامپور

زومیریہ تبسم، اسلامیہ ہائی اسکول، مومن پورہ، ناگپور

نعمان فراس

Facebook اردو فیس بک

☐ میرا نام عادل ہے میں جے ڈی پبلک اسکول گنگولی غازی پور کے درجہ سات vii کا طالب علم ہوں۔ میں 'بچوں کی دنیا' بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔اس کی کہانیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔اس کو پڑھنے سے میرے لیے اردو پڑھنا آسان ہوگیا ہے۔اتنا اچھا رسالہ نکالنے کے لیے شکریہ!

حذیفہ وسیم، ابوالحسن ہائی اسکول، کلکتہ

☐ میں ذکریٰ غزال ہوں اور 'بچوں کی دنیا' کا ہر مہینے دلچسپی سے مطالعہ کرتی ہوں۔ میرے ابو میرے لیے پیام تعلیم، امنگ کے ساتھ ساتھ بچوں کی دنیا بھی لاتے ہیں اور میں تینوں رسالوں کو ہر ماہ پابندی سے پڑھتی ہوں۔بچوں کی دنیا کی کہانیاں اور نظمیں مجھے بہت پسند ہیں۔ انکل! آپ کو پتہ ہے میں نے دو ماہ پہلے قرآن پاک ناظرہ مکمل کرلیا ہے۔میرے لیے دعائیں کریں۔

● قرآن پاک مکمل کرنے پر آپ کو ڈھیر ساری مبارکباد۔ اللہ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے۔ (ادارہ)

ذکریٰ غزال، درجہ دوئم، نیو ایرا اسکول، جامعہ نگر، نئی دہلی

☐ مجھے 'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت پسند ہے۔ میں ہر مہینے اسے بہت توجہ سے پڑھتا ہوں۔ اتنا سستا اور اتنا خوبصورت پرنٹ ہم نے نہیں دیکھا۔ اس کے مضامین بھی بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ بہت دنوں سے 'بچوں کی دنیا' کے بارے میں خط لکھنا چاہ رہا تھا آج اللہ نے موقع دیا۔میری خدا سے یہ دلی تمنا ہے کہ یہ رسالہ پوری دنیا میں چھوٹے بڑے سب کا محبوب رسالہ بن جائے۔

توقیر احمد، شاہ پور بگھونی، سمستی پور

☐ السلام علیکم انکل، میرا نام طاہرہ طٰہٰ ہے۔ میری عمر گیارہ سال ہے اور میں درجہ پنجم میں پڑھتی ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' ہر مہینے پڑھتی ہوں۔ مجھے اس میں ناول 'الٹا درخت' سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔'بچوں کی دنیا واقعی ایک قابل تعریف رسالہ ہے۔

طاہرہ طٰہٰ، درجہ پنجم، گل آباد آرم پورہ سوپور (کشمیر)

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے. اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066 فون: 26109746 فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, March 2016, Vol. 04, Issue: 3
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/02/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

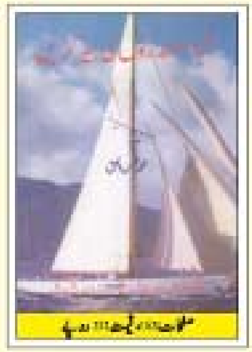
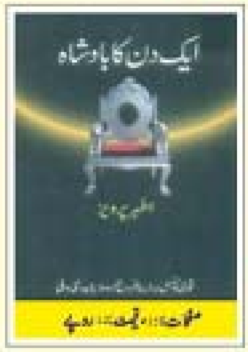

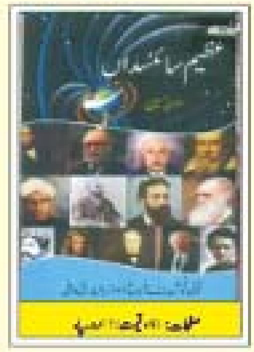
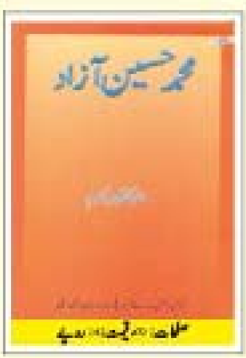

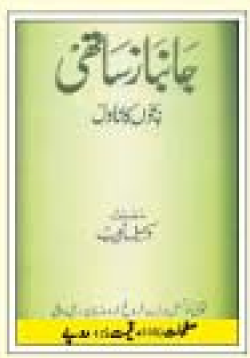

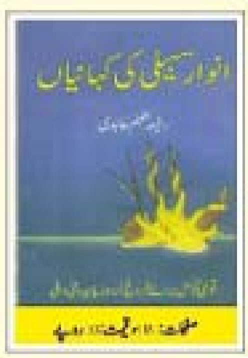

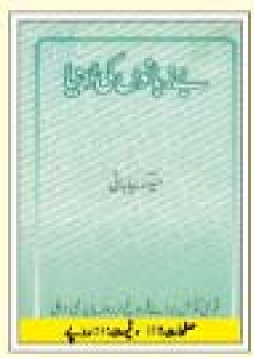

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.